ماہ وسال کی

بدعات ورسومات

کتاب وسنت کی روشنی میں

محمد ارمغان بدایونی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

ماہ وسال کی

بدعات ورسومات

کتاب وسنت کی روشنی میں

محمد ارمغان بدایونی ندوی

سید احمد شہید اکیڈمی
دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

رجب المرجب ۱۴۳۸ھ - اپریل ۲۰۱۷ء

سید احمد شہیدؒ اکیڈمی

دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی

نام کتاب	:	**ماہ وسال کی بدعات ورسومات** کتاب وسنت کی روشنی میں
مصنف	:	**محمد ارمغان بدایونی ندویؔ**
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
صفحات	:	۱۷۶
قیمت	:	Rs. 120/-

ملنے کے پتے :

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء

☆ مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ مکتبۃ الشباب العلمیۃ، ندوہ روڈ لکھنؤ

باہتمام: محمد نفیس خاں ندویؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

اسلام اور بدعت

محرم الحرام کی بدعات

صفر المظفر کی بدعات

ربیع الاول کی بدعات

ربیع الثانی کی بدعات

جمادی الاولیٰ کی بدعات

جمادی الثانی کی بدعات

رجب المرجب کی بدعات

شعبان المعظم کی بدعات

رمضان المبارک کی بدعات

شوال المکرّم کی بدعات

ذی قعدہ کی بدعات

ذی الحجہ کی بدعات

غم و ماتم کی بدعات

خوشی ومسرت کی بدعات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ٣)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کر لیا)

حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن اس آیت کا نزول ہوا، اور اس میں یہ بات صاف کر دی گئی کہ دین مکمل ہو گیا، اب اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی، آیات قرآنیہ کی وضاحت و تفصیل بھی آنحضور ﷺ کے ذریعہ سے کر دی گئی، آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اس کا پورا نظام جاری فرما دیا، اب امت کا کام یہ ہے کہ وہ اس دین و شریعت کو مضبوطی سے تھامے، جیسا کہ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ“(١)

(تم اپنے اوپر میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ

---

(١)سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٤٦٠٩

کی پیروی لازم کرلو، مضبوطی سے اس کو تھام لو اور دانتوں سے پکڑلو)

دین وشریعت کے اسی کھلے ہوئے راستہ کی طرف ہمیشہ ائمہ وعلماء نے رہنمائی کی ہے، وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، ان کا کام کتاب وسنت کی ترجمانی کرنا اور اس کو عام لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

"مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"(۱)

(جو ہمارے اس امر یعنی دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے جو اس میں شامل نہیں تھی تو وہ رد کردی جائے گی)

احادیث مبارکہ کی حیثیت ایک ایسی میزان کی ہے جس میں سنت و بدعت کا فرق واضح ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن ملکوں میں حدیث پر زیادہ توجہ نہیں دی جاسکی وہاں بدعات کو پنپنے کے مواقع حاصل ہوئے، اور مختلف مناسبتوں سے طرح طرح کی خرافات پیدا ہوگئیں، چونکہ یہ مناسبتیں مختلف علاقوں میں الگ الگ تھیں، اس لیے علاقوں میں بدعتیں بھی الگ الگ نظر آئیں گی، جب کہ سنتیں ہر جگہ ایک ہی رہیں گی، اس لیے کہ وہ احادیث سے ثابت ہیں۔

سنت و بدعت کے فرق کو واضح کرنا اور سنتوں کا زندہ کرنا اور بدعتوں کو مٹانا امت کی ذمہ داری ہے جو ہمیشہ علمائے حق نے انجام دی ہے۔

پیش نظر کتاب بھی اسی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے مرتب کی گئی ہے، اور اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ مختلف مناسبتوں اور مہینوں کے اعتبار سے جو بدعتیں رائج ہیں، ان کو الگ الگ بیان کیا جائے، بلکہ کسی حد تک ان تمام بدعات وخرافات کا ذکر آجائے جو خاص طور پر ہندوستان اور برصغیر میں رائج ہیں۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ یہ کام عزیز گرامی مولوی محمد ارمغان ندوی بدایونی سلمہ اللہ

---

(۱)مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات.....: ٤٥٨٩

نے بڑی محنت سے انجام دیا، اتفاق سے ان کا تعلق بدایوں سے ہے، یہ اور اس کے قریبی علاقے بدعات کا مرکز سمجھے جاتے رہے ہیں، اور وہ خود بھی اپنے علاقہ اور اطراف کی مروجہ بدعات ورسومات سے واقف ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب عام لوگوں کے لیے رہنما ہوگی اور اس سے ازالۂ بدعات میں مدد ملے گی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اور عزیز موصوف کے لیے اس کو ترقی کا ذریعہ بنائے، یہ عزیز موصوف کی پہلی تصنیف ہے، امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اہم موضوعات پر وہ لکھتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بلال عبدالحی حسنی ندوی

دارعرفات، تکیہ کلاں (رائے بریلی)

۷/ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اپنی بات

شریعت اسلامیہ کی بقا کا انحصار اس کے قوانین میں عمل جراحی سے انسانی ہاتھ کو دور رکھنے میں ہے، جن قوموں نے بھی آسمانی مذاہب کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے کی کوشش کی، وہ تن بے جان بن گئیں اور سوائے ظاہری جسم کے ان میں کچھ بھی باقی نہ رہا، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کی ضلالت کا بنیادی سبب یہی تھا کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق آسمانی تعلیمات میں تحریف سے کام لیتے تھے۔

دین اسلام کے اعجاز میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کسی بھی صورت ادنی درجہ کی بھی تحریف کی اجازت نہیں دیتا، اسی لیے ایمان کامل کے شرائط میں یہ بات بھی شامل ہے کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس کی تمام تر خواہشات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تابع نہ ہو جائیں، اور اگر غور کیا جائے تو یہ وہ بنیادی بات ہے، جس کی عدم موجودگی میں انسان مذہب کو اپنے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر راہِ حق سے دور ہو کر ایسی جگہ جا پہنچتا ہے جہاں سے ہدایت کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار کی صفت عطا فرمائی ہے، جس کی بنیاد پر وہ بسا اوقات کسی کی رہنمائی نہ ملنے کی وجہ سے اپنی خواہشات کو اول درجہ دے دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے غافل ہو جاتا ہے، یا پھر ان تعلیمات کی تاویل اپنی ذہنی سطح کے لحاظ سے کرنے لگتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا یہ نظام رہا ہے کہ وہ ہر دور میں ایسے

افراد دعوت وعزیمت کو پیدا کرتا رہا ہے، جنہوں نے نفسانی خواہشات کی تعمیل کو جہنم کی راہ ہموار کرنے کے مرادف قرار دیا، اور جہلاء کی فاسد تاویلات کا خاتمہ کیا، اور دین حنیف کو شرک و بدعات سے پاک وصاف کرکے اس کی اصل شکل میں پیش کیا، اور معاشرہ کو بدعات وخرافات کی تاریکیوں سے نکال کر کتاب وسنت کی روشنی عطا کی۔

بدعات ورسومات کے رد میں متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان کے ذریعہ معاشرہ کی اصلاح کا بڑا کام بھی ہوا ہے لیکن چونکہ ان بدعات کا سرچشمہ انسان کی اپنی سوچ وفکر ہے جس میں تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے اور اسی بنیاد پر مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں بدعات ورسومات میں تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں، اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حالات کا جائزہ لیا جاتا رہے اور معاشرہ میں پنپنے والی بدعات کا فکر اسلامی کی روشنی میں رد کیا جاتا رہے تاکہ معاشرہ ان کی لعنتوں اور بے برکتیوں سے محفوظ رہے۔

پیش نظر کتاب ''ماہ وسال کی بدعات وخرافات- کتاب وسنت کی روشنی میں'' اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں مسالک ومدارس کے اختلافات اور ان کے نظریات کے بجائے قرآن وحدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے، اور دعوتی نقطہ نظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے معاشرہ میں رائج بدعات وخرافات کا علمی وفکری جائزہ لیا گیا ہے، اور ماہ و سال کی ان بدعات ورسومات کو پیش کیا گیا ہے جو مختلف مناسبتوں سے عوام میں رائج ہیں، اور بسا اوقات خاصا دیندار طبقہ بھی ان میں ملوث نظر آتا ہے۔

راقم سطور مخدوم ومربی حضرت مولانا بلال عبد الحی حسنی ندوی مدظلہ العالی کا خاص طور پر شکر گذار ہے، جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ہمیشہ فدوی کی ہمت افزائی فرمائی اور کتاب کے لیے ایک بیش قیمت تحریر بھی عنایت کی، جو اس کتاب کے لیے سند کا درجہ رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو امت مسلمہ کے لیے خیر کا ذریعہ بنائے، اور آپ کے سایہ کو صحت وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔

اس کتاب کی نظر ثانی کے لیے راقم سطور مولانا مفتی راشد حسین ندوی مدظلہ

(مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی) کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہے، جنہوں نے اپنی علالت اور دیگر علمی مصروفیات کے باوجود راقم کی درخواست منظور کی، اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت سے رکھے۔

اسی طرح راقم سطور مولانا محمد نفیس خان ندوی کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہے، جن کی مستقل فکر اور رہنمائی اس کتاب کی تیاری میں کلیدی کردار کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے علاوہ مراجع کی فراہمی میں مولانا محمد مکی حسنی ندوی اور برادرم مولوی محمد نجم الدین ندوی کا بھی خاصا تعاون حاصل رہا، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے شایان شان جزائے خیر دے، اور اس کتاب کو راقم اور اس کے والدین، اور جملہ اساتذۂ کرام کے لیے زادِ آخرت بنائے۔ آمین!

محمد ارمغان بدایونی ندوی

دار عرفات، تکیہ کلاں (رائے بریلی)

۸/ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور بدعت

اسلام

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا منتخب و پسند فرمودہ مذہب ہے، اس میں وہ تمام احکام و قوانین تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں جن کی انسانیت کو قیامت تک ضرورت پیش آسکتی ہے، اس دین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اس خلاق عالم کا عطا کیا ہوا ہے جو انسانوں کا بھی خالق ہے، اور ان کی ہر ہر ضرورت کے بارے میں ان سے زیادہ واقف ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں انسانی نفسیات کا پورا خیال رکھا گیا ہے، انسانوں کو انہیں احکامات کا مکلّف کیا گیا ہے جن سے انسانی طبیعت کو بوجھ محسوس نہ ہو، قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفساً إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢٨٦)

(اللہ (تعالیٰ) کسی کو طاقت سے بڑھ کر مکلّف نہیں بناتا)

سورۂ بقرہ میں روزہ کے احکامات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ١٨٥)

(اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے وہ تمہارے ساتھ سختی نہیں چاہتا)

سورۂ نساء میں انسانی کمزوریوں کا خیال رکھتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الإِنسَانُ ضَعِيفاً﴾

(النساء: ٢٨)

(اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ کو ہلکا کر دے جبکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے)

سورۂ حج میں دین اسلام کی خصوصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸)

(اور اس نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی)

قرآنی آیات کے علاوہ کتب حدیث کا مطالعہ کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام نہایت سہل تعلیمات کا حامل، سختی اور تشدد کا مخالف ہے، نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے دین اسلام کا تعارف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ" (۱)

(مجھے سیدھے اور آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے)

ایک دوسری جگہ دین کو آسان بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ" (۲) (بلاشبہ دین آسان ہے)

روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات اللہ کے رسول ﷺ نے بعض اعمال کو جان بوجھ کر اسی مقصد کے پیش نظر ترک کر دیا کہ کہیں وہ امت کے لیے فرض قرار نہ دے دیئے جائیں، جس کی بنا پر امت دشواری میں مبتلا ہو جائے گی، ایک موقع پر ہر نماز کے وقت مسواک کو ضروری نہ قرار دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"لَوْ لَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ" (۳)

(اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت ان کے لیے مسواک کرنا فرض قرار دیتا)

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری محبوب نبی حضور اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام

---

(۱) مسند أحمد، فی حديث أبی أمامة الباهلي: ۲۲۹۵۱

(۲) صحيح البخاری، كتاب الايمان، باب الدين يسر: ۳۹

(۳) سنن الترمذی، كتاب الطهارة، باب ما جاء فی السواك: ۲۲

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعہ عملی طور پر شریعت اسلامیہ کے تمام احکامات امت کے سامنے کھول کر بیان فرمادیئے، اوراس دین کوایسا کامل ومکمل کردیا کہ اب اس میں کسی بھی قسم کی کسی بھی زمانہ میں ادنی تبدیلی کی ضرورت باقی نہیں رہی، قرآن مجید میں اس کے لیے ''اکمال دین'' کی تعبیر استعمال ہوئی ہے، اوراس اکمال کوانسانیت پر ''اتمام نعمت'' بتایا گیا ہے، قرآن مجید میں ''اتمام نعمت'' کی یہ تعبیر اپنی جگہ سو فیصد برحق اور درست ہے، کیونکہ اگر دین اسلام کی تعلیمات کامل ومکمل نہ ہوتیں تو ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے لوگ ذہنی انتشار کا شکار رہتے، ہر روز زندگی گذارنے کے لیے ایک نیا لائحہ عمل تیار کرتے اوراس کوشریعت ہی کا حصہ سمجھتے، اس طرح دین کی اصل شکل مسخ ہوکر رہ جاتی، اورانسانیت کودوبارہ جاہلی دور سے گذرنے پر مجبور ہونا پڑتا، قرآن مجید میں دین اسلام کی اسی خصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيناً﴾ (المائدة: ۳)

(آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا)

اکمال دین کے اس عالمگیر اعلان کے ساتھ قرآن مجید میں اس بات کی بھی صراحت کردی گئی کہ اب کسی کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی کہ وہ زندگی گذارنے کے لیے دین اسلام کے آسان اور برحق راستہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ اپنائے، نبی ﷺ کے ذریعہ دین اسلام کے راستہ پر گامزن رہنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَنَّ هَـٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

(الأنعام: ۱۵۳)

(اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو تم اسی پر چلو اور راستوں پر مت پڑ

جانا کہ وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کردیں گے، یہ وہ چیز ہے جس کی
تم کو تاکید کی گئی ہے شاید تم بچ نکلو)

سورۂ آل عمران میں دین اسلام کے علاوہ کسی بھی دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کے متعلق سخت الفاظ میں منع کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

(جو بھی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو اس سے وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا)

آخری وقت میں نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر گامزن رہنے کی تاکید فرمائی، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ"(۱)

(تم اپنے اوپر میرے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کی پیروی لازم کرلو، مضبوطی سے اس کو تھام لو اور دانتوں سے پکڑلو)

نبوی طریقہ کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ کو کافی سمجھنا یا اس مبارک طریقہ کو سماجی روایات کے پیش نظر وہ اہمیت نہ دینا جس کا اہل ایمان سے مطالبہ ہے، درحقیقت اطاعت کے باب میں کوتاہی سے کام لینا ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے اس کے متعلق بھی صراحت سے یہ بات ارشاد فرمادی:

"مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى"(۲)

(جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے انکار کیا)

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٤٦٠٩

(۲) بخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ: ٧٢٨٠

بدعت

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ دین اسلام کا ایک ایک جز کامل ومکمل ہے، اس کی تعلیمات ابدی اور نہایت سہل ہیں، انسانی فطرت ومقتضائے بشری کے عین مطابق ہیں، کسی بھی دور میں ان کے اندر کمی بیشی کی کوئی ضرورت نہیں، جو ان تعلیمات کو اپنائے گا وہ راہ یاب ہوگا، اور جو ان تعلیمات کو غیر شعوری طور پر بھی نظر انداز کرے گا، نئی نئی چیزوں کے فریب میں آکر دینی تعلیمات کو ایک خاص زاویۂ نگاہ سے دیکھے گا، وہ دنیا وآخرت دونوں جگہوں پر ناکام ونامراد ہوگا، کیونکہ دین اسلام ایک غیور مذہب ہے، وہ اپنے متبعین کو کسی بھی دور میں اپنے طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ کو اپنانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، بلکہ ایسا کرنے والوں کو ضال ومضل قرار دیتا ہے، قرآن و حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی تعلیمات کو ناکافی سمجھنا اور دینی مزاج کے خلاف نئی نئی باتوں پر عمل کرنا ہی ''بدعت'' ہے، روایت میں آتا ہے:

"إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"(۱)

(دین میں نئی نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لیے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے دین اسلام کی خالص تعلیمات اور دنیوی خرافات کے درمیان ایک واضح فرق باقی رکھنے کے لیے صراحت سے ارشاد فرمادیا:

"مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"(۲)

(جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے)

---

(۱)سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۴۶۰۹

(۲)مسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات.....: ۴۵۸۹

زبان نبوت سے نکلے ہوئے یہ الفاظ درحقیقت امت کی آسانی کے لیے ہی ادا ہوئے، تاکہ کسی بھی دور میں لوگوں کے لیے سنت طریقہ معلوم کرنے میں کوئی بھی دشواری نہ ہو، بدعت اور سنت کے درمیان ہمیشہ ایک خلیج حائل رہے، اس سختی کی وجہ یہ ہے کہ بدعت کے عنوان سے رائج اعمال کا تعلق لوگوں کی محدود صلاحیتوں سے ہے، جو کہ ہر دور میں اور ہر علاقہ کے لوگوں کے لیے کافی نہیں، جب کہ دین اسلام کی تعلیمات کا تعلق رب العالمین وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے، جو دنیا میں قیامت تک آنے والے تمام مسائل اور ان کی جزئیات سے بخوبی واقف ہے، لہٰذا اس کے عطا کئے ہوئے طریقہ میں انسانوں کے مسائل کا حل بھی ویسا ہی عالمی اور ابدی موجود ہے، برخلاف بدعت کے جو کہ محدود اور ناقص، مفاد پرست ذہنیتوں کی اُپج ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بدعت اور سنت کے فرق، بدعت کے کھوکھلے پن اور سنت کی شانِ امتیازی کو بلیغ اسلوب میں یوں بیان فرماتے ہیں:

> ”بدعت درحقیقت دین الٰہی کے اندر شریعت انسانی کی تشکیل اور ”ریاست اندرون ریاست“ ہے، اس شریعت کی الگ فقہ ہے، اور مستقل فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات، جو بعض اوقات شریعت الٰہی کے متوازی اور بعض اوقات تعداد اور اہمیت میں اس سے بڑھ جاتے ہیں، بدعت اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ شریعت مکمل ہوچکی، جس کا تعین ہونا تھا اس کا تعین ہوگیا، اور جس کو فرض وواجب بننا تھا وہ فرض وواجب بن چکا، دین کی ٹکسال بند کردی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا:
>
> ”من ابتدع في الإسلام بدعة ويراها حسنة، فقد زعم أن محمدا صلى الله عليه وسلّم خان الرسالة، فإن الله سبحانه

يقول: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ فما لم يكن يومئذ دينا، فلا يكون اليوم دينا"(۱)

(جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کردی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے (نعوذ باللہ) پیغام پہنچانے میں خیانت کی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا" پس جو بات عہد رسالت میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی)

شریعت منزل من اللہ کی خصوصیت، اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک کے لیے ہر زمانہ میں قابل عمل ہونا ہے، اس لیے کہ جو دین کا شارع ہے وہ انسان کا خالق بھی ہے، وہ انسان کی ضروریات، اس کی فطرت اور اس کی طاقت و کمزوری سے واقف ہے:

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الملك: ١٤)

(اور بھلا کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بیں اور پورا باخبر ہے)

اس لیے تشریع الٰہی اور شریعت سماوی میں ان سب چیزوں کی رعایت ہے، مگر جب انسان خود شارع بن جائے گا تو اس کا لحاظ نہیں رکھ سکتا، بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد دین اس قدر دشوار، پیچ دار اور طویل ہوجاتا ہے کہ لوگ مجبور ہوکر ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں، اور ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (خدا نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی) کی نعمت سلب کرلی جاتی ہے، اس کا نمونہ عبادات و رسوم اور

(۱) روایت: ابن الماجشون عن الإمام مالك رحمة الله عليه

فرائض و واجبات کی اس طویل فہرست میں دیکھا جاسکتا ہے جس میں بدعت کو آزادی کے ساتھ اپنا عمل کرنے کا موقع ملا ہے۔
دین وشریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانی ہے، وہ ہر زمانہ اور ہر دور میں ایک ہی رہتے ہیں، دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو دین وشریعت پر عمل کرنے میں نہ کوئی دقت پیش آئے گی، نہ کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی، اس کے برخلاف بدعات میں یکسانی اور وحدت نہیں پائی جاتی، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں، وہ تاریخی یا مقامی اسباب اور شخصی و انفرادی مصالح واغراض کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لیے ہر ملک بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بعض اوقات ایک ایک صوبہ اور ایک ایک شہر اور گھر گھر کا دین مختلف ہوسکتا ہے)(۱)

بدعت کی تعریف

لغوی تعریف:- بدعت عربی زبان کا لفظ ہے، یہ لفظ ''ب، د، ع'' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: ''ایسی نئی چیز ایجاد کرنا جس کی پہلے سے کوئی اصل موجود نہ ہو''، مشہور لغت ''لسان العرب'' کے مصنف علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی لغوی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”بدع: بدع الشئ يبدعه بدعا وابتدعه: أنشأه وبدأه“

”البديع والبدع: الشئ الذى يكون أولا“(۲)

یعنی بدعت کا لفظ ''ب، د، ع'' سے مشتق ہے، اس کے معنی نئے کام کی شروعات کے ہیں جو پہلے نہ کیا گیا ہو۔

---

(۱) دستور حیات: ۸۴-۸۶ (۲) لسان العرب: ۱/۳۴۱-۳۴۲

’’تاج العروس‘‘ کے مصنف علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ بھی بدعت کی لغوی تعریف انہیں الفاظ میں کرتے ہیں، اور بدعت کے متعلق فرماتے ہیں:

”البدع بالکسر: الأمر الذی یکون أولا“(۱)

(بدعت ’’با‘‘ کے کسرہ کے ساتھ اس معاملہ کو کہتے ہیں جو پہلے پہل ہو)

یعنی ایسا کام جس کا اس سے پہلے کوئی وجود نہ ہو۔

قرآن مجید میں یہ لفظ کئی جگہ مستعمل ہوا ہے، آسمان اور زمین جن کی پہلے سے کوئی اصل موجود نہ تھی، ان کی تخلیق کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿بَدِیُعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرُضِ﴾ (البقرۃ: ۱۱۷)

(آسمانوں اور زمین کو (اللہ تعالیٰ ہی) وجود بخشنے والا ہے)

نبی اکرم ﷺ کے رسول برحق ہونے سے متعلق آتا ہے:

﴿قُلُ مَا کُنتُ بِدُعاً مِّنُ الرُّسُلِ﴾ (الأحقاف: ۹)

(کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں نے عبادت میں غلو اختیار کیا، جو طریقہ شریعت الٰہیہ میں مطلوب تھا اس کے خلاف راہ اپنائی، قرآن مجید میں ان کی اس روش کا تذکرہ بھی ’’بدعت‘‘ کے صیغہ سے ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَرَهُبَانِيَّةً ابُتَدَعُوهَا مَا كَتَبُنَاهَا عَلَيُهِم﴾ (الحدید: ۲۷)

(اور رہبانیت کو انھوں نے اپنی طرف سے ایجاد کرلیا، اس کو ہم نے ان پر لازم نہیں کیا تھا)

اصطلاحی تعریف:- اصطلاحی اعتبار سے بدعت ہر اس کام کو کہا جاتا ہے جس کی دین میں کوئی اصل موجود نہ ہو، اس کی حمایت میں نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اُجمعین کی زندگیوں سے کوئی دلیل بھی نہ ملتی ہو، خواہ وہ کام اسلامی عقائد وعبادات سے متعلق ہو یا عادات ومعاملات سے، علامہ ابن

(۱) تاج العروس: ۵۰۹۲/۱

تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"البدعة فی الدین ما لم یشرعه اللّٰه ورسوله"(۱)

(دین میں بدعت اس کام کو کہتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مشروع نہ کیا ہو)

گویا ہر وہ فعل بدعت ہے جو مخالف سنت ہو اور دین میں بے جا قسم کے تشدد و غلو کا داعی ہو، اشاعت اسلام میں ممد و معاون ہونے کے بجائے حارج ہو، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بدعت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ ورسول نے دین میں شامل نہیں کیا اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا، اس کا ایک جزء بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لیے کرنا، اور اس کے خود ساختہ شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک حکم شرعی کی پابندی کی جاتی ہے "بدعت" ہے۔"(۲)

بدعت کی اقسام

مؤرخ کبیر علامہ حکیم عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تهذيب الأخلاق" کی عربی شرح "تنوير الآفاق" میں لغوی اعتبار سے بدعت کی پانچ قسمیں بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال العلماء: البدعة خمسة أقسام، واجبة ومندوبة ومحرمة ومكروهة ومباحة، فمن الواجبة: نظم أدلة المتكلمين للرد على الملاحدة والمبتدعين، ومن المندوبة: تصنيف كتب العلم وبناء المدارس والربط وغير ذلك، ومن المباح: التبسط فى ألوان الطعام، والحرام والمكروه

(۱) مجموع الفتاوی: ۴/ ۱۰۷ (۲) دستورِ حیات: ۸۴

ظاھران، انتھی"(۱)

(علماء کے نزدیک بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح، واجب کی مثال اہل بدعت اور ملحدین کے خلاف متکلمین اسلام کے دلائل جمع کرنا ہے، مندوب کی مثال تصنیفی و تالیفی کام سے وابستگی اور مدارس و مکاتب وغیرہ کا قیام ہے، مباح کی مثال نوع بنوع کے کھانے تیار کرنا ہے، حرام اور مکروہ کھلے ہوئے ہیں)(۲)

بدعت حسنہ و سیئہ:- انسانی سماج میں بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کا شریعت اسلامیہ سے کوئی تعارض نہیں ہوتا، بلکہ بسا اوقات وہ چیزیں منشائے نبوت کے مطابق اور شریعت اسلامیہ پر استقامت کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں، البتہ عہد نبوی ﷺ میں بعض وجوہات کی بنا پر ان کی نظیر ملنا مشکل ہوتی ہے، لغوی اعتبار سے ایسے کاموں کو "بدعت حسنہ" کہتے ہیں، اور جو کام احیائے سنت کے بجائے اماتت سنت کے موجب ہوں ان کو "بدعت سیئہ" کہتے ہیں۔

بدعت حسنہ کی ایک اچھی مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تراویح کی نماز باجماعت ادا کرنے کا فیصلہ ہے، جس کے متعلق اگر آپ ﷺ کی مبارک زندگی میں سختی اختیار کی جاتی تو لوگ مصیبت میں پڑ جاتے، اور ایک نفل چیز فرض کا درجہ لے لیتی، لیکن یہ بات شریعت اسلامیہ کے مزاج کے موافق تھی کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں لوگ تراویح کا باقاعدہ اہتمام کریں، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کو اپنی ایمانی بصیرت سے سمجھتے ہوئے باجماعت تراویح کا سلسلہ شروع فرمایا اور اس کے متعلق خود فرمایا:

"نِعۡمَ الۡبِدۡعَةُ هٰذِهٖ"(۳) (یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے)

---

(۱) تنویر الآفاق، فی شرح باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الصفحة: ۷٤

(۲) حرام و مکروہ میں وہ تمام افعال شامل ہیں جن کا سنت نبوی ﷺ سے تعارض ہو۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۱۰

بدعت کی اسی لغوی تقسیم کے پیش نظر علامہ ابونعیم اصفہانیؒ نے حرملہ بن یحیٰ کے واسطہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بدعت کی تعریف ان الفاظ میں نقل کی ہے:

"البدعة بدعتان: بدعة محمودة وبدعة مذمومة، فما وافق السنة فهو محمود وما خالف السنة فهو مذموم"(۱)

(بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت محمودہ اور بدعت مذمومہ، جو بدعت سنت کے موافق ہو وہ محمودہ ہے اور جو سنت کے مخالف ہو وہ مذمومہ)

لغوی اعتبار سے بدعت کی اسی تقسیم کی آڑ میں بعض شر پسند ذہنیتوں کو دین کے ساتھ کھلواڑ کرنے کا موقع ملنے کے سبب اصحاب علم وعمل نے بدعت کو ایک اصطلاح مانتے ہوئے ''بدعت حسنہ'' کو اسلام سے خارج کر دیا ہے، اور بدعت کو دیگر اسلامی اصطلاحات پر قیاس کرتے ہوئے ایک خاص دینی اصطلاح قرار دیا ہے، جس سے مراد ہر وہ کام ہے جس کو ایک خاص دینی رنگ دے کر مذہب اسلام میں داخل کرنے کی مذموم کوشش کی جائے، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں کثرت سے اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ دینی لحاظ سے بدعت ہمیشہ سیئہ اور گمراہی کی داعی ہوتی ہے، اس میں ظلمت وضلالت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔(۲)

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض حضرات صحیح مسلم کی ایک روایت کا سہارا لیتے ہوئے دین اسلام کے اندر اپنی طرف سے ایجاد کردہ طریقوں کو بھی سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں، اور ان کو ''سنت حسنہ'' سے تعبیر کرتے ہیں، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئاً وَمَنْ سَنَّ فِي

---

(۱)حلية الأولياء: ۱۱۳/۹

(۲)ملاحظہ ہو: درّ لاثانی، خلاصہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، جلد اول، صفحہ: ۱۱۳

الْـإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ"(۱)

(جس نے اسلام کے اندر کوئی اچھی بات قائم کی اسے اس کا ثواب ملے گا، اور جس نے اس پر اس کے بعد عمل کیا اس کا ثواب بھی اس کو ملے گا، بغیر اس کے کہ بعد والوں کے ثواب میں کمی ہو، اور جس نے اسلام میں کوئی بری راہ قائم کی، اس پر اس کا بوجھ ہوگا، اور جس نے اس پر اس کے بعد عمل کیا ان کا بوجھ بھی اس پر ہوگا، بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی کی جائے)

یہ صحیح مسلم کی ایک طویل روایت ہے، جس میں دین اسلام کے اندر کسی اچھی بات کے قائم کرنے کے لیے "سَنَّ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے معنی کسی طریقہ کا جاری کرنا ہیں، آپ ﷺ نے یہ لفظ ایک خاص موقع پر ارشاد فرمایا تھا، اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس قبیلۂ مضر کے کچھ لوگ بڑی خستہ حالت میں آئے، جن کو دیکھ کر آپ ﷺ کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا اور نماز ادا فرمائی، اور اس کے بعد صحابہ کے درمیان دین اسلام میں صدقہ سے متعلق ایک جامع وعظ فرمایا، جس کے بعد ہر صحابی کے پاس جو میسر تھا، اس نے لا کر خدمت اقدس میں پیش کر دیا، اس جانثاری کا اعلیٰ نمونہ دیکھ کر آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے کھل گیا، اور آپ ﷺ نے برجستہ یہ الفاظ فرمائے:

"مَنْ سَنَّ فِیْ الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً......"

(جس نے اسلام کے اندر کوئی اچھی بات قائم کی......)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہاں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کوئی نیا کام نہیں کیا تھا، بلکہ دین اسلام میں صدقہ کی جو فضیلت وارد ہوئی ہے، اسی کے پیش نظر

---

(۱) مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة: ۲۳۹۸

جانثاری وقربانی کی اعلیٰ مثال قائم کی تھی، جس پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔
گویا ''اسلام کے اندر کوئی اچھی بات قائم کرنے'' سے مراد دین اسلام میں کیا جانے والا ہر وہ اچھا کام ہے جس کا نصوص شرعیہ (قرآن وحدیث) سے کسی طرح کا کوئی تعارض نہ ہو، اور وہ ہر دور کے لحاظ سے اشاعت اسلام کے لیے ممد ومعاون ہو، موجودہ دور میں دینی کتابوں کی اشاعت، مکاتب و مدارس کا نظام، دینی جلسوں کا انعقاد سب اسی سنت حسنہ کی فہرست میں آتے ہیں کہ یہ سب چیزیں دینی مزاج کے عین مطابق ہیں، اور لوگوں کے اندر جذبۂ اسلام کو موجزن کرنے میں مفید و مؤثر بھی۔

فروغ بدعت کے اسباب

یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے کہ اس کو ظاہری طور پر خوبصورت نظر آنے والی ہر نئی چیز اچھی لگتی ہے، بدعت کا خاصہ یہی ہے کہ اس کا ظاہر لوگوں کے سامنے نہایت دلچسپ ہوتا ہے، مگر اس کا باطن کتاب وسنت سے مختلف ہونے کی وجہ سے زہر آلود ہوتا ہے، چنانچہ جو لوگ قرآن وحدیث سے گہری واقفیت نہیں رکھتے وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور اس طرح بدعت کو اپنی جڑیں راسخ کرنے کا بہترین موقع مل جاتا ہے، جو لوگ شعوری طور پر اس میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں، عام طور پر ان کا مقصد کسب دنیا وحب جاہ ہوتا ہے، البتہ جو لوگ غیر شعوری طور پر ان گھٹیا اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے پس پشت یا تو ان کی سادہ لوحی ہوتی ہے یا پھر سنت نبوی ﷺ سے دوری اور اپنے آقاؤں کی حصول رضا کا مقصد، گویا بدعت کے فروغ پانے کے اہم اسباب میں جہالت کا عموم، نصوص شرعیہ (یعنی قرآن وحدیث) میں عدم تدبر، نفس پرستی اور سنت نبوی ﷺ سے صرفِ نظر سماجی وآبائی اقدار و روایات کا شدت سے پاس رکھنا ہے، قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ اشاعت دین کی راہ میں حارج بننے والی ان تمام چیزوں کو بیان کر دیا گیا ہے، جن کا وجود بدعت کی تخلیق کا سبب بن سکتا ہو، یہود ونصاریٰ کی ان

حرکتوں کا بھی کھل کر تذکرہ کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر انھوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دین کے حصے بخرے کر دیئے تھے، قرآن وحدیث کی ان تفصیلات کا مقصد یہی ہے کہ امت مسلمہ دین میں نئی نئی چیزوں کے داخل ہونے کے راستوں سے اچھی طرح باخبر ہو جائے، اوران تمام چیزوں سے کنارہ کش رہے جو تحریف پیغام الٰہی اور مورد غضب الٰہی کا سبب بنتی ہیں۔

جہالت:- فروغ بدعت کے اسباب میں جہالت کا عموم بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اس کے مقابل علم ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کو زیغ وضلال سے محفوظ رکھنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، علم دشمن قوم جو حقیقی علم سے کٹ کر قیاس اور گمان کی پیروی کرے وہ ترقی کی منازل سے کبھی بھی ہم کنار نہیں ہوسکتی، اسی لیے قرآن مجید نے جاہلی دور میں سب سے پہلی صدا علم سے وابستگی کے متعلق ہی لگائی، کیونکہ علم اور جہالت دونوں کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے، اس لیے کہ علم نام ہے کائنات میں بکھری ہوئی چیزوں کی حقیقت دریافت کرنے کا، ہر چمکتی ہوئی چیز کے پس پردہ جھانکنے کا کہ اس کو چمکانے والی ذات کون ہے، برخلاف جہالت کے، جس کا تمام تر دارومدار سنی سنائی باتیں، خاندانی روایات پر شدت سے عمل کرنا اور عقل وفہم سے رشتہ توڑ کر اندھی تقلید پر ہوتا ہے، قرآن مجید نے حصول علم کے نعرہ کے ساتھ اسی جہالت اور اندھی تقلید کا شدت سے رد کیا ہے، کائنات کی ہر چیز میں تدبر کا حکم دیا ہے اور اس کو اہل علم کا شیوہ قرار دیا ہے، جو علم تدبر وتفکر کا داعی نہ ہو، بلکہ اللہ پر ایمان کو کمزور کرنے والا ہو، آباء پرستی کا قائل ہو، آخرت کی کامیابیوں سے ہم کنار کرنے کے بجائے ہلاکت وبربادی کی خندقوں کی طرف دھکیلنے والا ہو، اس کو علم کے بجائے ''ظن'' سے تعبیر کیا ہے، اور دنیوی واخروی زندگی میں رفعتیں عطا کرنے والے علم کو سچا اور صحیح علم بتایا ہے، سورۂ انعام میں صحیح بات نہ ماننے والوں کا عذر پیش کرتے ہوئے ان کے علم کو قرآن مجید ''ظن'' ہی سے تعبیر کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاء اللّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلاَ آبَاؤُنَا وَلاَ حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم حَتَّى ذَاقُواْ بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إَلاَّ تَخْرُصُونَ﴾ (الأنعام: ١٤٨)

(اب مشرک یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہ لیتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور ہم کچھ حرام بھی نہ کرتے، اسی طرح ان سے پہلے والے بھی (تاویلیں کر کر کے) جھٹلا چکے ہیں یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ ان کو چکھنا پڑا، کہہ دیجیے کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ اس کو ہمارے سامنے نکال کر لے آؤ، تم تو صرف گمان پر چلتے ہو اور صرف اٹکل مارتے رہتے ہو)

اپنے محدود علم کے نتیجہ میں دنیوی زندگی میں مست ہوکر اخروی زندگی سے غافل ہونے والے لوگوں کے متعلق بھی قرآن مجید علم کے بجائے ''ظن'' کی تعبیر استعمال کرتا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾

(الجاثية: ٢٤)

(اور وہ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے (اسی میں) ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی کے ہاتھوں ہم فنا کے گھاٹ اترتے ہیں اور اس کا ان کو کچھ پتہ نہیں بس وہ اٹکلیں لگاتے ہیں)

سورۂ نجم میں ''ظن'' کی اتباع کرنے والوں کے متعلق صاف طور پر فرمادیا گیا:

﴿مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئاً﴾ (النجم: ٢٨)

(ان کو اس کا کچھ اتہ پتہ نہیں صرف اٹکل پر چلتے ہیں اور بلاشبہ گمان حق (کو پہچاننے) کے لیے ذرا بھی کافی نہیں)

قرآن مجید میں بیان کردہ تعلیمات جو کہ ہدایت ورحمت کا مظہر ہیں، تدبر وتفکر کی داعی ہیں، ان کو علم برحق سے تعبیر کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَى عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف:۵۲)

(اور ہم ان کو وہ کتاب دے چکے جس کو ہم علم کے ساتھ کھول چکے ہیں جو ایمان والے لوگوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے)

معلوم ہوا کہ قرآن مجید جہالت پر مبنی غلط افکار کے حامل افراد کے علم کو ''ظن'' سے تعبیر کرتا ہے، اور حقیقی علم اس علم کو قرار دیتا ہے جو اس کے لیے نجات کا سبب بنے، محبوب ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اپنی مشہور کتاب ''قرآن مجید-انسانی زندگی کا رہبر کامل'' میں ''علم'' اور ''ظن'' کے متعلق رقم طراز ہیں:

''یہ علم قرآن مجید کی روشنی میں وہ حقیقی علم ہے جس میں انسان کی اصل کامیابی رکھی گئی ہے، رہا وہ علم جس کو آدمی صرف اپنے غور وفکر اور اندازے سے حاصل کرتا ہے، اس کو قرآن مجید کی اصطلاح میں ظن سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ علم جو انسانی زندگی کے اچھے یا برے ہونے کے واقعی نتائج پر مشتمل ہے، اس کے حاصل ہونے پر انسان کے لیے جزا یا سزا اسے واقعتاً خائف ہوگا، اور پھر اس خوف کی بناء پر اپنی زندگی کو اس کے حکم کے مطابق بنائے گا، دنیا کا جدید دور جو انسانی تاریخ کا علم عام ہو جانے کا دور ہے، اس میں انسان کو اصل کامیابی دلانے والے علم پر خصوصی توجہ کرنے کی ضرورت بتائی گئی ہے، جو قرآن مجید میں نئے عہد کو اس نئے عہد کے نبی آخر الزماں

کے ذریعہ عطا کیا گیا''۔(۱)

عدم تدبر:- جس طرح جہالت کی بنیاد پر حقیقی علم سے نا آشنائی کی وجہ سے بدعت کو فروغ پانے کا موقع ملتا ہے، اسی طرح نصوص شرعیہ (قرآن وحدیث) میں عدم تدبر بھی فروغ بدعت کے اسباب میں ایک اہم سبب ہے، نصوص شرعیہ میں قرآن وحدیث ملت اسلامیہ کے لیے سرمایہ افتخار ہیں، قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ حق بات نہ ماننا، جاہلی روایات پر شدت سے قائم رہنا، حق بات کی وضاحت ہونے کے بعد بھی شیطان کے بہکاوے میں آجانا، اور پھر راہ راست پر نہ آنے کی دلوں پر مہر ثبت ہو جانا، درحقیقت قرآن مجید میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ٢٤)

(بھلا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر ان کے تالے پڑے ہیں)

سورۂ نساء میں بھی منافقین کے طرز عمل پر قرآن مجید کی حقانیت کا اعلان کرتے ہوئے اور صحیح راہ سے دور لوگوں کو قرآن مجید میں تدبر کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافاً كَثِيرا﴾ (النساء: ٨٢)

(بھلا کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے بس اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بڑا فرق پاتے)

قرآن مجید میں جابجا دینی تعلیمات میں تدبر اور ان کو اپنی عملی زندگیوں میں نافذ کرنے کی دعوت دینے کا مقصد یہی ہے کہ جو شخص ان تعلیمات سے جس قدر واقف ہوگا، وہ اسی قدر گمراہی سے دور اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا، دیار مصر کے مشہور داعی شیخ استاذ علی محفوظ اپنی کتاب "الإبداع في مضار الإبتداع" میں رقم طراز ہیں:

---

(۱) قرآن مجید-انسانی زندگی کا رہبر کامل: ۱۴۱

”اعلم أن من أمعن النظر فيما شرعه اللّٰه لنا مما تضمنه الكتاب و بينته السنة علم أن النبي صلوات اللّٰه و سلامه عليه تركنا على المحجة البيضاء ليلها كنهارها، لا يحيد عنها إلا من قد مرض قلبه وطاش فی مهاوی الضلال لبه“(۱)

(واضح رہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت میں گہرائی کے ساتھ غور کرے گا، وہ بلاشبہ یہ بات سمجھ جائے گا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہم کو ایسے چمکتے دمکتے راستہ پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی دن ہے، اس سے وہی بھٹک سکتا ہے جس کا دل روگی ہو، اوراس کی عقل زیغ وضلال کی مہیب کھائیوں کی نذر ہو گئی ہو)

اسلاف پرستی :- قرآن مجید میں راہ راست سے ہٹ جانے والے لوگوں کو عقل وفہم سے کام لینے کے ساتھ اسلاف پرستی کی روایت سے بھی روکا گیا ہے، اس لیے کہ بدعت کے فروغ پانے میں اسلاف پرستی کا بھی بنیادی کردار ہے، اس ذہنیت کے لوگوں کے سامنے خواہ کیسے ہی حقائق واضح کردیئے جائیں، مگر ان کے پیش نظر محض ایک ہی حیلہ رہتا ہے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے آئے ہیں، اگر یہ غلط ہوتا تو انہوں نے ایسا کیوں کیا ہوتا، اس لیے ہم بھی یہی کریں گے، جب کہ قرآن مجید کا نظریہ یہ ہے کہ اگر اس ذہنیت کے حامل لوگ ذرا بھی غور وفکر سے کام لیں تو باطل نظریات کی پول کھل کر رہ جائے، مگر افسوس کہ وہ اندھی تقلید کا چشمہ نہ اتارنے پر اڑے ہوئے ہیں، سورۂ بقرہ میں پیغام الٰہی کی اتباع کی دعوت دینے پر اس طرح کے لوگوں کے آباء واجداد پرستی کا بہانہ ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللّٰهُ قَالُواْ بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَ نَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئاً وَلَا يَهْتَدُونَ﴾

(البقرة: ۱۷۰)

(۱) الإبداع فی مضار الإبتداع: ۸

(اور جب ان سے کہا گیا کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے اتاری ہے تو وہ بولے بلکہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، خواہ ان کے باپ دادا کچھ بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ پر چلتے ہوں)

سورۂ مائدہ میں بھی اسی اندھی تقلید کے سبب اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول سے بیزار رہنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُواْ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلاَ يَهْتَدُونَ﴾ (المائدة: ١٠٤)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہم کو کافی ہے خواہ ان کے باپ دادا ایسے ہوں کہ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ چلتے ہوں)

سورۂ لقمان میں بھی دین اسلام پر اسلاف پرستی کو ترجیح دینے والوں کا ذکر کرتے ہوئے اور ان کو جہنم کی طرف تیز قدموں سے بڑھنے والا بتاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ (لقمان: ٢١)

(اور جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے نہیں ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، کیا تب بھی کہ جب شیطان ان کو بھڑکتی آگ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو)

سورۂ زخرف میں بھی نبی اکرم ﷺ کی بات نہ ماننے والوں کا یہی شیوہ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ (الزخرف: ۲۳)

(اوراسی طرح آپ سے پہلے بھی ہم نے جس بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگ بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم تو ان ہی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں)

سورۂ شعراء میں ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی تو انھوں نے بھی اسی عذر کی آڑ لی، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ☆إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ☆قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ☆قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ☆أَوْ يَنفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ☆قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ (الشعراء: ۶۹-۷۴)

(اوران کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنائیے، جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تم کس چیز کو پوجتے ہو، وہ بولے ہم بتوں کو پوجتے ہیں تو اسی میں ہم لگے رہتے ہیں، انھوں نے پوچھا کہ جب تم پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری (بات) سنتے ہیں، یا تمھیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، وہ بولے بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا ہے)

سورۂ یونس میں ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے دعوت توحید پیش کی، تو ان کی قوم

نے بھی اسلاف پرستی ہی کو اصل قرار دیا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ﴾ (یونس: ۷۸)

(وہ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اس طریقے سے ہٹادو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور ملک میں تم دونوں کی چودھراہٹ ہو اور ہم تو تم کو ماننے والے ہی نہیں)

اسلاف پرستی اور شخصیات کی بے جا تعظیم کے نتیجہ میں لوگوں کی ذہنی سطح کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"واعلم أن عموم أصحاب المذاهب يعظم في قلوبهم الشخص فيتبعون قوله من غير تدبر بما قال، وهذا عين الضلال، لأن النظر ينبغي أن يكون إلى القول لا إلى القائل"(۱)

(یہ بات ذہن میں رہے کہ مذہبی لوگ عام طور پر اپنے دلوں میں کسی شخص کی عظمت بٹھالیتے ہیں، پھر اس کی ہر بات بغیر غور وفکر کئے مان لیتے ہیں، یہی بات عین گمراہی ہے، اس لیے کہ ضرورت بات کو دیکھنے کی ہوتی ہے (وہ صحیح ہے یا غلط) نہ کہ بات کرنے والے کو دیکھنے کی)

نفس پرستی :- دین حق سے انحراف اور بدعات وخرافات کے رواج پانے میں نفسانی خواہشات کا بھی بنیادی کردار ہوتا ہے، حق بات کی اتباع کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ انسان کی بے جا خواہشات ہوتی ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان عقلی طور پر حق بات بھی سمجھ رہا ہوتا ہے، اسلاف پرستی کا بھی قائل نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود حق بات پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے، جس کا سبب صرف اس کی خواہشات کی تکمیل ہوتی ہے، ایسے انسان کے لیے اس کا سب سے بڑا معبود اس کی نفسانی خواہشات ہوتی ہیں، اس کی زندگی کا لائحہ عمل انہیں کی تعمیل کے مطابق طے ہوتا

---

(۱)تلبيس إبليس، الباب الخامس، ذكر تلبيس إبليس على أمتنا في العقائد والديانات: ۷۴

ہے، قرآن مجید میں اس کی صراحت ان الفاظ میں کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ﴾ (الجاثية: ۲۳)

(بھلا آپ نے اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا)

ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر خواہشات نفسانی کی تعمیل کرنے والوں کو قرآن مجید سب سے بڑھ کر گمراہ قرار دیتا ہے، سورۂ قصص میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ﴾

(القصص: ۵۰)

(اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلے)

نفسانی خواہشات کی اتباع کرنے والے کی بے غیرتی کی مثال قرآن مجید نے نہایت بلیغ اسلوب میں بیان فرمائی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے والا کسی ربانی ہدایت کی پرواہ نہیں کرتا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث﴾ (الأعراف: ۱۷۶)

(اور وہ اپنی خواہش پر چلا تو اس کی مثال کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو ہانپے یا اس کو چھوڑ دو تو ہانپے)

معلوم ہوا کہ انسان کا ہدایت الٰہی سے اپنا رشتہ منقطع کر کے اپنی خواہش کے مطابق اچھا یا برا کام کرنا شریعت اسلامیہ میں مطلوب نہیں، اس لیے کہ دین اسلام میں ہر کام کی غرض و غایت متعین کر دی گئی ہے، اب اسلام کی اس غرض و غایت کے اندر ادنیٰ درجہ میں بھی کسی دوسری غرض و غایت کو شامل کرنا اسلامی مزاج کے منافی ہے، سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"انسان کے نیک سے نیک فعل کی اچھائی بھی اس کی غرض و غایت پر

موقوف ہے، یعنی یہ کہ اگر وہ خدا کی خوشنودی اور رضامندی کے لیے ہے تو وہ نیک اور اچھا ہے، اور اگر اس کے علاوہ کسی اور فاسد غرض کے لیے ہے تو وہ نیکی نہیں، اسی فاسد غرض اور باطل خواہش کا نام قرآن پاک میں ''ہوی'' ہے، ضروری ہے کہ انسان اپنے تمام افعال واعمال و اخلاق کو ہوی سے پاک رکھے کہ انسان کا حقیقی خدا وہی ہے جس کے لیے وہ کام کرتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو دین حق کے پیرو نہیں اور اپنے کاموں کی بنیاد اخلاص پر نہیں رکھتے، یہ کہا کہ ان کا دین و مذہب اپنی خواہش نفسانی کی پیروی ہے اور ان کے سینوں کے اندر اغراض نفسانی اور خواہش وہوا کے بت چھپے ہیں''۔(۱)

آخرت پر ایمان کی کمزوری :-انسانی سماج میں بدعت کے فروغ پانے کے اسباب میں ایک اہم سبب آخرت پر ایمان کی کمزوری بھی ہے، لوگوں کے ذہنوں سے جس قدر یہ تصور دھندلا ہوتا جائے گا، اسی قدر ان کی زندگیوں میں راہ حق سے انحراف اور کتاب وسنت پر تعمیل سے دوری پیدا ہوتی چلی جائے گی، وہ نئی نئی چیزوں کو دین سمجھ کر ان پر عمل کرنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھنے لگیں گے، قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ہاتھوں نے آسمانی تعلیمات کو اپنا کھلواڑ اسی وقت بنایا جب وہ دنیوی زندگی پر قانع ہوئے اور آخرت پر ان کا ایمان کمزور ہونے لگا، ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ اتَّخَذُواْ دِينَهُمْ لَهْواً وَلَعِباً وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُواْ لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَـذَا وَمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ﴾ (الأعراف: ٥١)

(جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنالیا تھا اور دنیا کی زندگی نے ان کو فریب میں ڈال رکھا تھا، آج ہم بھی ان کو بھلا دیتے ہیں جیسے وہ

---

(۱) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۶/۱۱۲

اس دن کی ملاقات کو بھلا بیٹھے تھے اور جیسے وہ ہماری نشانیوں کا انکار کرتے رہے تھے)

اسی طرح ایک دوسری جگہ اخروی زندگی کو بھول کر دنیوی زندگی کو ہی اپنا منتہائے فکر و نظر سمجھنے والوں کے متعلق صاف طور پر ارشاد ہوا:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (الكهف: ١٠٥)

(یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا تو ان کے سب کام اکارت ہوگئے تو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن اٹھا نہ رکھیں گے)

بسا اوقات آخرت پر ایمان کی کمزوری کا سبب انسان کا اپنے متعلق غلط فہمی کا شکار ہو جانا بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں انسان کی حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک حقیر نطفہ سے دنیا کے اندر وجود میں آیا، اور کسی کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر چلنا پھرنا سیکھا، مگر جب اس کے قویٰ مضبوط ہوگئے تو وہ اسی پروردگار کے مدمقابل کھڑا ہو گیا جس نے اس کو وجود بخشا ہے اور اس کو موت بھی دے گا، پھر موت دینے کے بعد روز قیامت میں دوبارہ زندہ بھی وہی کرے گا، قرآن مجید میں انسان کی اسی غلطی کی طرف نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿خَلَقَ الإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ (النحل: ٤)

(اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا تو وہ کھل کر جھگڑنے پر آ گیا)

قرآن مجید میں انکار آخرت کی وجہ انسان کا یہی تکبر بتایا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم مُّسْتَكْبِرُونَ﴾ (النحل: ٢٢)

(تمہارا معبود تو ایک اکیلا معبود ہے تو جو بھی آخرت کو نہیں مانتے ان

کے دل انکاری ہیں اور وہ بڑے بنتے ہیں)

آخرت پر یقین دھندلا ہونے کے نتیجہ میں انسانی زندگی پر جو اثرات پڑتے ہیں، اور انسانی زندگی کا جو مقصد بن جاتا ہے، اس کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''انکار آخرت کا پہلا اور طبعی اثر یہ ہے کہ دنیوی زندگی اور دنیا کی چیزوں سے لذت وتمتع کا اور انتفاع واستفادہ کا ایک جنون اور بحران پیدا ہو جاتا ہے اور یہی مقصد حیات قرار پاتا ہے، جو جماعت یا سوسائٹی (معاشرہ) یہ عقیدہ رکھتی ہے اس کے ہر گوشہ سے صدائے ناؤ نوش اور نعرہ ''بعیش کوش'' بلند ہوتا رہتا ہے، اور اس کی ساری زندگی اس مسابقت کا مظاہرہ ہوتی ہے اور درحقیقت انکار آخرت کے بعد یہ جنون عین فرزانگی ہے جو اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کے تصور سے خالی ہو، وہ اس زندگی میں لطف اٹھانے اور جگر کی آگ بجھانے میں کیوں کمی کریں، اور عیش ولطف کو کس دن کے لیے اٹھا رکھیں''۔(۱)

اسلامی معاشرہ پر بدعت کے اثرات

اسلامی معاشرہ کا امتیاز کتاب وسنت کے مطابق اپنی طرز معاشرت کو ڈھالنا ہے، نبی اکرم ﷺ نے جو چمکتا دمکتا راستہ امت کی فلاح و بہبود کے لیے عطا کیا ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے، دنیا کی دیگر اقوام کے سامنے آپسی اتحاد واتفاق کا اعلیٰ مظاہرہ پیش کرنا ہے، مادیت پرست دنیا خواہ ظاہری اعتبار سے کتنی بھی ترقی کر لے، مگر اس آخری دین کو ماننے والوں کی شان امتیازی یہ ہے کہ وہ کسی بھی صورت اسلامی ثقافت کے علاوہ کوئی دوسری تہذیب ہرگز قبول نہ کریں، واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی انسانی جماعت

---

(۱) اسلام کے تین بنیادی عقائد: ۱۶۰

دین اسلام کواس کی تمام تعلیمات اور جزئیات کے ساتھ اپنی زندگیوں میں نافذ کرلے تو اس پر کسی بھی پرفریب تہذیب کا جادو اثر انداز نہیں ہوسکتا، مرورایام کے نتیجہ میں خواہ کتنی ہی دلکش انداز میں نئی نئی چیزیں انسانی طبیعت کو لبھا کر راہ حق سے پھیر دینے والی ایجاد ہوجائیں، مگر پھر بھی اسلامی تعلیمات کے سامنے ان کا طلسم پارہ پارہ ہوجائے گا۔

لیکن اگر اسلامی معاشرہ کا تعلق اسلامی تعلیمات ہی سے کمزور ہوجائے، اس کے ماننے والے دین میں دوسری چیزوں کو شامل کرنا عار کی بات نہ سمجھیں، بلکہ اس کو وقت کی ضرورت تسلیم کرنے لگیں، تو ان کی یہی حس اسلام کے شاندار قلعہ میں نقب کا کام کرتی ہے، اور اسلامی معاشرہ چند بدعات وخرافات سے تعبیر ہوکر رہ جاتا ہے، جن کا اسلامیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان خرافات کا اسلامی معاشرہ پر برا اثر پڑتا ہے، جن امتیازات وخصوصیات کی بنا پر اسلامی معاشرہ دنیا میں نمایاں مقام کا حامل ہوتا ہے، یہ بدعات وخرافات انہیں امتیازات وخصوصیات کو گھن لگا دیتی ہیں، اور رفتہ رفتہ معاشرہ سے اسلامیت کی نسبت ختم ہوجاتی ہے، جو معاشرہ اپنے تمام تر انسانی جذبات وخواہشات پر ضبط کرکے نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل کو اپنے لیے حرز جاں سمجھتا تھا، ان بدعات وخرافات کے سرایت کرجانے کے نتیجہ میں اب وہی معاشرہ کائنات کے محسن اعظم کے مبارک طریقہ سے منھ موڑ کر اپنی فاسد طبیعت کی خوشی کے واسطہ نفسانی خواہشات کا پجاری بن جاتا ہے، اور اس طرح سماج سے آہستہ آہستہ سنتیں مٹتی جاتی ہیں، ایمانی جذبہ سرد پڑنے لگتا ہے، دل شر کے روگی اور حق بات قبول کرنے سے قاصر ہوجاتے ہیں، پھر نفاق ان طبیعتوں کا تقاضا بن جاتا ہے، اتحاد و اتفاق، اختلاف وافتراق میں تبدیل ہوجاتا ہے، امن وسکون کی فضا لڑائی جھگڑے اور بدامنی وبے ایمانی سے زہر آلود ہوجاتی ہے، اور ان میں سب سے زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ اس طرح کے افراد کو ایسا ہی جہنم کدہ معاشرہ ہر دل عزیز بھی ہوجاتا ہے۔

منصوصات کی غلط تشریحات کا عموم:- قرآن مجید

اوراحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کے فروغ میں اسلامی معاشرہ پران اثرات کا پڑنا یقینی امر ہے، جولوگ کتاب وسنت میں محکم راستہ کی وضاحت کے بعد کتاب و سنت ہی کے حوالہ سے وہ راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں جس میں ان کی خواہشات پرتکمیل کسی درجہ ممکن ہو، قرآن مجیدان لوگوں کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے، اور فتنہ کو ہوا دینا ان کا شیوہ ہے، ایسے لوگ اسی مقصد کی خاطر قرآنی آیات کی غلط تاویلیں کرتے ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِی قُلُوبِهِمُ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۷)

(تو جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ متشابہ آیات کے پیچھے لگتے ہیں فتنہ کی خواہش میں اور اس کے (غلط) مطلب جاننے کی تلاش میں جبکہ اس کا مطلب صرف اللہ ہی جانتا ہے)

اس قسم کے لوگوں کے متعلق صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ہے:

"فَإِذَا رَأَيتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوهُمْ"(۱)

(تو جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کی اتباع کرتے ہوں، تو سمجھ لو یہی وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تذکرہ کیا ہے، لہٰذا ان سے بچو)

یاد الٰہی سے غفلت:- جس معاشرہ کی ایک بڑی تعداد نفسانی خواہشات کی اتباع میں کتاب وسنت کی غلط تشریح کرنے لگے، اس معاشرہ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کا تعلق کتاب وسنت سے مضبوط رہے، اور وہ دنیا کی رعنائیوں کو

(۱)صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: منه آیات محکمات:۴۵۴۷

تیاگ کرصرف اللہ کی یاد میں محو رہے، قرآن مجید میں یہود و نصاریٰ کی مثال دیتے ہوئے اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا گیا تھا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنھوں نے اپنی خواہشات کی تکمیل کے واسطہ اپنے پیدا کرنے والے کواور اس کی تعلیمات ہی کوفراموش کردیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے خود ان کو بھلا دیا، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ''خدا فراموشی کی سزا خودفراموشی''(۱) قرآن مجید میں ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (الحشر: ۱۹)

(اوران لوگوں کی طرح مت ہوجانا جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کوایسابنادیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے وہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں)

اللہ تعالیٰ کو بھلانا اوراس کے پیغام سے غافل ہونے کی صورت یہی ہوتی ہے کہ انسان اپنی خودساختہ شریعت پرعمل پیرا ہوجائے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں بھلائے گا، بلکہ سنت نبوی ﷺ سے بھی دور ہوجائے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بدعتیں رواج پائیں گی اور سنتیں مفقود ہوتی جائیں گی، ایک موقع پرحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے ارشاد فرمایا:

''مَا أَتَى عَلَىٰ النَّاسِ عَامٌ إِلَّا أَحْدَثُوا فِيهِ بِدْعَةً وَأَمَاتُوا فِيهِ سُنَّةً، حَتَّى تَحْيَا الْبِدَعُ وَتَمُوتُ السُّنَنُ''(۲)

(لوگوں پرکوئی سال نہیں آتا مگراس میں وہ بدعت ایجاد کرلیتے ہیں، اورسنت کو ماردیتے ہیں، یہاں تک کہ بدعتیں زندہ ہوجاتی ہیں اور سنتیں مردہ ہوجاتی ہیں)

---

(۱)ملاحظہ ہو: قرآنی افادات:۱/۵۳

(۲)الطبرانی فی الکبیر، مجمع الزوائد، باب فی البدع والأهواء:۱/۱۸۸

نــزاعــات کی کثرت:- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو قوم اللہ ورسول کی تعلیمات سے منہ موڑ لے گی، جو ذات موت وحیات کی مالک، انسان وکائنات کی خالق، ان کی ضروریات سے واقف ہے، اسی کی شریعت کو نا کافی سمجھے گی، وہ اپنے خود ساختہ قوانین پر عمل کرنے کے نتیجہ میں باہمی نزاعات کا شکار ہوگی، ہر کوئی اپنی خواہش کے مطابق زندگی گذارنے کی کوشش کرے گا اور افکار کا تصادم ہوگا، پھر دلوں میں دوریاں پیدا ہوں گی، اور بسا اوقات نوبت لڑائی جھگڑے تک بھی پہنچ جائے گی، قرآن مجید میں انہیں سب خطرات سے حفاظت کے لیے مؤمنین کو اپنے رب سے تعلق مضبوط کرنے کی دعوت دی گئی تھی، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَاعۡتَصِمُواۡ بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعاً وَلَا تَفَرَّقُواۡ﴾ (آل عمران: ۱۰۳)
(اور اللہ کی رسی کو تم سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور پھوٹ مت ڈالو)

اسی سورہ کی اگلی آیات میں اہل ایمان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ حق بات کی وضاحت کے بعد کسی معاملہ میں نزاع کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، جو لوگ اس کے باوجود بھی اختلافات میں پڑتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَكُونُواۡ كَالَّذِيۡنَ تَفَرَّقُواۡ وَاخۡتَلَفُواۡ مِن بَعۡدِ مَا جَاءَ هُمُ الۡبَيِّنَاتُ وَأُوۡلَـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡم﴾ (آل عمران: ۱۰۵)
(اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کھلی نشانیاں آنے کے بعد بھی پھوٹ ڈالنے لگے اور اختلاف میں پڑ گئے اور ایسے ہی لوگوں کے لیے سخت عذاب ہے)

قرآن مجید کی آیات میں ایسے اختلافات کی مذمت اور اتحاد کی دعوت دینے کا مقصد یہی ہے کہ اسلامی معاشرہ ان مہلک اختلافات سے محفوظ رہے، جن کا اثر یہ رونما ہوتا ہے کہ تمام انسان آپسی بغض وعداوت اور نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں، علامہ شاطبی

رحمۃ اللہ علیہ ایسے اختلافات سے معاشرہ پر پڑنے والے اثرات کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "الإعتصام" میں رقم طراز ہیں:

"كل مسألة حدثت فی الإسلام فاختلف الناس فيها ولم يورث ذلك الإختلاف بينهم عداوة ولا بغضاء ولا فرقة، علمنا أنها من مسائل الإسلام، وكل مسألة حدثت وطرأت فأوجبت العداوة والبغضاء والتدابر والقطيعة علمنا أنها ليست من أمر الدين فی شئ، وأنها التی عنی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم بتفسير الاية......: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴾...... فيجب على كل ذی دين وعقل أن يجتنبها"(١)

(اسلام میں پیش آنے والے جس مسئلہ میں بھی لوگوں کا اختلاف ہو، اور اس اختلاف کی بنا پر آپس میں کسی قسم کی دشمنی، بغض ونفرت اور دوری پیدا نہ ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اسلام سے متعلق کوئی مسئلہ ہے، البتہ جس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد پر آپسی بغض و عداوت، نفرت اور رنجش پیدا ہو تو وہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دین کا کوئی مسئلہ نہیں ہے، یہ وہی اختلاف ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے اس آیت: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ ﴾ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے، لہٰذا ہر صاحب دین وصاحب عقل کو اس اختلاف سے بچنا چاہیے)(٢)

---

(١)الإعتصام، المسألة الثامنة فی فصل المسألة الأولى فی حقيقة هذا الافتراق: ٢٣٢/٢

(٢)اس آیت کی تفسیر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے مراد اصحاب زیغ وضلال اور نفسانی خواہشات کی اتباع کرنے والوں کو لیا ہے، جنھوں نے اپنے دین میں خود اپنے ہی ہاتھوں سے بے دردی کے ساتھ عمل جراحی کیا، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ (ملاحظہ ہو:المعجم الصغير للطبرانی، باب العين من اسمه علی، رقم الحديث: ٥٦٠)

بدعت کا سد باب

دین اسلام کی خصوصیت اس کی عالمگیر تعلیمات ہیں، جن میں قیامت تک کی انسانیت کے لیے تمام مشکلوں کا حل موجود ہے، اس کی تعلیمات کا تعلق محض عقائد و عبادات ہی سے نہیں، بلکہ انسانی زندگی کے ایک ایک جز سے وابستہ ہے، ظاہری اعتبار سے خواہ دنیا ترقی کے کتنے بھی مدارج طے کرلے، لیکن دین اسلام ان تمام ترقیوں کے باوجود اپنی انہیں تعلیمات کے ساتھ زندہ و جاوید رہے گا، تبدیلی حالات کے نتیجہ میں اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اسلامی تعلیمات میں بھی عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ تبدیلی کرلی جائے، تو اس بات کو اس کی ذہنی کجی پر محمول کیا جائے گا، اس لیے کہ دینی تعلیمات ہر دور کے لحاظ سے کامل و مکمل ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت سے فرمادیا ہے کہ اب دین میں پیدا ہونے والی ہر نئی بات بدعت ہے، بدعت گمراہی کا پیش خیمہ ہے، اور گمراہی جہنم رسید ہونے کا لازمہ۔(۱)

افسوس کی بات ہے کہ دین اسلام کی اس کاملیت اور امتیازی خصوصیات کے واضح ہونے کے باوجود بھی بعض انسانی عوامل ومحرکات کی بنا پر معاشرہ میں ایسی چیزیں سرایت کر جاتی ہیں جن کو لوگ دین سمجھ بیٹھتے ہیں، ان زہر آلود چیزوں کے معاشرہ پر جو مہلک اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کی کچھ تفصیلات سطور بالا میں بیان کی گئیں، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ دین کے نام پر فروغ پانے والی ان مخربِ دین بدعات کو سمجھا جائے، ان کے اسباب پر غور کر کے معاشرہ سے ان متعفن چیزوں کو پاک کرنے کی کوشش کی جائے، لوگوں کی ناواقفیت کے نتیجہ میں رسومات وخرافات کی جو بیڑیاں ان کے گلوں پڑ گئی ہیں ان کو ہٹایا جائے، دین اسلام کی آسان اور ابدی تعلیمات کو عام کیا جائے، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جب انسان انسانیت کھو بیٹھا تھا، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے ذریعہ لائے ہوئے دین سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا، توحید کی شمع

---

(۱) ملاحظہ ہو: سنن أبي داؤد، کتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٤٦٠٩

بجھ رہی تھی، خودساختہ مذاہب پر عمل کرنے کے نتیجہ میں لوگوں کا دم گھٹ رہا تھا، غرض کہ ہر طرف فضا مکدر ہی مکدر تھی، ایسے ماحول میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ نے اپنے قول وعمل سے انسانیت کو ایک ایسا نمونہ عطا کیا، جس نے ان تمام عقدوں کو مختصر سی مدت میں حل کر دیا، اور انسانیت کو حقیقی امن وسکون نصیب ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو آپ ﷺ پر مکمل فرمایا، اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین بنایا، چونکہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کا خالق و مالک ہے، لہٰذا وہ بخوبی یہ بات جانتا ہے کہ انسان ہر دور میں بعض وجوہات کی بنا پر راہ حق سے انحراف کی کوشش کرے گا، اس لیے انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات کی آمد کا دروازہ بند ہونے کے بعد، ان کی تبلیغ اسلام کی ذمہ داری امت محمدیہ ﷺ کے سپرد کی گئی، تاکہ ہر دور میں کلمہ حق کی اشاعت ہو، حق و باطل کے درمیان فرق قائم رہے، لوگ زیغ وضلال سے محفوظ رہیں، ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنے ایسے بندے بھیجتا رہے گا جو دین میں پیدا ہونے والی نئی نئی باتوں کا ازالہ کریں گے، اس سلسلہ میں غلو سے کام لینے والوں کی باتیں رد کریں گے (۱) قرآن مجید میں بھی اس امت کا فرض منصبی اور نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ اس امت کی بعثت کا مقصد واضح کرتے ہوئے یہی فرمایا گیا ہے کہ اس امت کی بنیادی ذمہ داری اپنے قول وعمل کے ذریعہ معاشرہ سے برائیوں کو دور کرنا اور اچھائیوں کو عام کرنا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو)

(۱) ملاحظہ ہو: كنز العمال، حرف العين، كتاب العلم من قسم الأقوال، الباب الأول: في الترغيب فيه: ۲۸۹۱۷

کتاب و سنت سے وابستگی:- امت مسلمہ کی بعثت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اگر یہ امت اپنے اس فرض کو بغیر کسی تساہلی کے ادا کرتی رہے تو معاشرہ کو ہلاکت کی عمیق غاروں میں ڈھکیلنے والی خرافات پنپ ہی نہیں سکتیں، گویا بدعات کے سد باب میں ایک اہم بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہر دور میں اپنے اس اہم فریضہ پر شدت سے عامل رہیں، لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس اہم ذمہ داری کو پوری امانت داری کے ساتھ ادا کرنے والے افراد اس چیز سے بھی مکمل طور پر واقف اور اپنی عملی زندگیوں میں اس کو نافذ کرنے والے ہوں جس پر ان کی تمام اسلامی تعلیمات کا دارو مدار ہے، یعنی کتاب وسنت، اگر ان دونوں چیزوں سے اپنے سینوں کو معمور نہ کیا گیا اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو نہ ڈھالا گیا، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ساری کوششیں سرد پڑ جائیں گی، اور انسانیت اپنی الٹی گنتی شروع کردے گی، اسی لیے اس پیغام کا حامل بننے کے ساتھ قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کے لیے قرآن وحدیث سے گہری واقفیت اور اپنی زندگیوں کو اس کا اعلی نمونہ بنانا نہایت ضروری ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ (ص: ۲۹)

(یہ ایک مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تا کہ عقل رکھنے والے اس سے نصیحت حاصل کریں)

اس آیت کے اندر قرآن مجید میں تدبر کی دعوت دی گئی ہے، قرآن مجید میں تدبر کے ساتھ یہ نہایت ضروری ہے کہ انسان سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی شغف رکھنے والا ہو، کیونکہ بغیر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید میں تدبر ناممکن بات ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی اتباع لازم کردی،

لہٰذا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جدا کر کے دین کی صحیح سمجھ حاصل ہونا ناممکن ہے، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر اپنے طریقہ سے وابستگی کی تاکید کی، اس کی اشاعت پر ملنے والے اجر کی وضاحت کی، اور اس طریقہ کی طرف جھوٹی نسبت کر کے غلط طریقہ عام کرنے والے کے حق میں سخت وعید بھی سنائی، سنت نبوی ﷺ سے وابستگی کی اہمیت جاننے کے لیے آپ ﷺ کی وہ حدیث مشعل راہ ہے جس میں آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ میرے اور میرے صحابہ کے راستہ کو مضبوطی سے پکڑ لو، یہ ہر گمراہی سے محفوظ رکھنے کا بہتر اور کامیاب ذریعہ ہے۔(۱)

قرآن وحدیث سے وابستگی اور ان پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تاکید کا مقصد یہی ہے کہ آئندہ زمانہ میں لوگ نئی نئی بدعات وخرافات میں مبتلا ہونے سے بچ سکیں، کیونکہ اگر وہ کتاب وسنت میں تدبر کرنے والے ہوں گے، ان میں بیان کردہ طریقہ کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہوں گے تو ان پر کسی بھی باطل نظریہ کا جادو نہیں چلے گا، گویا بدعات کے سد باب کے لیے کتاب وسنت سے حقیقی وابستگی ایک اہم ذریعہ ہے، جس سے اس دور میں امت مسلمہ غافل ہوتی جارہی ہے، اور کتاب وسنت سے گہری واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے بے شمار بدعات کو دین سمجھ کر کر رہی ہے۔

اسلامی تعلیمات کا عملی زندگی میں نفاذ:- کتاب و سنت سے وابستگی کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کر لیا جائے، بلکہ ان تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ان کا لازمی تقاضہ یہ ہے کہ ان کو اپنی روزمرہ کی زندگیوں میں عملی طور پر نافذ بھی کیا جائے، تاکہ ہر ایک کے سامنے سنت طریقہ واضح ہو جائے، اور ہر کوئی اس کے مقابل دین کی راہ سے آنے والی اچھی سے اچھی چیز کو بھی بآسانی بدعت سمجھ سکے، قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام اپنے پیروکاروں کے لیے محض اس پر ایمان لانے کو کافی نہیں سمجھتا،

(۱) ملاحظہ ہو: سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ٤٦٠٩

بلکہ وہ مکمل نظام حیات کو اپنی تعلیمات کے مطابق ہی تشکیل دینے کا مطالبہ کرتا ہے، اسی لیے ایک جگہ اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور دیگر راستوں کی اتباع نہ کرو، ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ (البقرة: ۲۰۸)

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو بلا شبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں داخلہ کا مطالبہ محض عقائد و عبادات کی حد تک ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر ہر گوشہ سے ہے، اسی میں انسانیت کی نجات ہے، ورنہ زندگی کے دوسرے امور میں قانون الٰہی سے صرف نظر انسانوں کے خود ساختہ قوانین کی اتباع درحقیقت زیغ وضلال میں مبتلا ہونے کی علامت ہے۔

امر بالمعروف و نهی عن المنکر:- کتاب وسنت سے حقیقی وابستگی اور اپنی عملی زندگیوں میں اس کو نافذ کرنے کے بعد مسلمانوں کا اہم فرض منصبی وہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جس کو سطور بالا میں قدرے وضاحت سے بیان کیا گیا، اگر مسلمان اپنی اس ذمہ داری کو پوری امانت کے ساتھ ادا کرتے رہیں تو وہ ہمیشہ سرخرو ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی گرفت سے محفوظ رہیں گے، اور پوری دنیا اوہام و خرافات سے محفوظ ہو کر امن وسکون کی زندگی گذارے گی، لیکن اگر اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں ذرا بھی تساہلی سے کام لیا گیا تو دینی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر نفسانی خواہشات کی بنا پر نئے نئے فتنے وجود میں آئیں گے، ایک عمومی فساد کا منظر ہوگا، جس کے نتیجہ میں خدا کی سخت گرفت ہوگی، اور اس وقت کوئی بھی شخص عقاب الٰہی سے محفوظ نہ رہ سکے گا، خواہ وہ پکے درجہ کا مومن ہو یا منافق، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے، معاشرہ میں جن منکر امور کو دین سمجھ کر کثرت

سے کیا جارہا ہے، ان پر نکیر کی جائے، اچھے کاموں کی تلقین کی جائے، ایسے برے لوگوں کی صحبت سے دور رہا جائے جو منکرات کو فروغ دیتے ہوں، کتاب وسنت کی روشنی میں زندگی گذارنے کی دعوت دی جائے، اگر امت مسلمہ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اپنی اس اہم ذمہ داری کی طرف توجہ نہ کی تو وہ دن دور نہیں، جس میں بدعات کو ایسا عروج حاصل ہوگا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عذاب کا مستحق قرار دے گا، ہماری دعاؤں کو قبولیت کی سند حاصل نہ ہوسکے گی، کیونکہ اسی مضمون کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک یہ امت اس اہم فریضہ کو ادا کرتی رہے گی، تب تک وہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے گی، اور اس کی دعاؤں کو بھی قبولیت نصیب ہوگی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَاباً مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ"(۱)

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم ہر حال میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، پھر اس کے بعد تم اس سے دعائیں کروگے اور تمہاری دعائیں قبول نہ کی جائیں گی)

اس حدیث کی روشنی میں اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک لمبی مدت سے عظیم مقاصد کی حامل یہ امت مسلمہ نت نئے فتنوں کا شکار ہے، تمام تر دینی وروحانی کوششوں کے باوجود بھی انسانیت کو جن چیزوں سے نجات دلانا مقصود ہے، ان میں سو فیصد کامیابی کا حصول مشکل ہورہا ہے، مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "معارف الحدیث" میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر: ۲۳۲۳

''اس عاجز کے نزدیک اس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ صدیوں سے یہ امت طرح طرح کے جن فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہے اور امت کے اخیار اور صلحاء کی دعاؤں، التجاؤں کے باوجود ان عذابوں سے نجات نہیں مل رہی ہے تو اس کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اور اس سلسلہ میں جو تاکیدی احکام دیئے تھے، اور اس کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا وہ صدیوں سے تقریباً معطل ہے، امت کی مجموعی تعداد میں اس فریضہ کے ادا کرنے والے فی ہزار ایک کے تناسب سے بھی نہیں ہیں''۔(۱)

صحبت بد سے اجتناب:- معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بدعات کے سد باب کے لیے کلیدی حیثیت رکھتا ہے، اس کے علاوہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعات کے سد باب کے لیے ایک اور مفید طریقہ یہ ہے کہ انسان ایسے برے لوگوں کی صحبت سے دور رہے جن کی صحبت اچھائی اور برائی میں تمیز کی صلاحیت مفقود کرتی ہو، اگر ایسی بری صحبت سے نہ بچا گیا تو پھر رفتہ رفتہ اچھے بھلے انسان کو برے شخص کی برائیاں اچھی معلوم ہونے لگیں گی، پھر ایک مقام وہ آئے گا کہ یہ شخص ان برائیوں کا صرف قائل نہیں بلکہ فاعل بھی بن جائے گا، نیک صحبت اختیار کرنے کے متعلق آتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾

(التوبة: ۱۱۹)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ان لوگوں کی

(۱) معارف الحدیث: ۸/۹۴-۹۵

صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا جو صدق گو ہیں، اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ اگر انسان سچوں کے پاس بیٹھے گا تو ان کی سچی عادتوں کا اثر غیر شعوری طور پر قبول کرے گا، لیکن اگر اسی کے برعکس ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا جو جھوٹ بولنے میں ذرا بھی باک نہیں رکھتے، نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر اپنے دین میں بھی کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، دین کے نام پر ایسی چیزوں کو قرآن وحدیث کا غلط حوالہ دے کر معاشرہ میں عام کرنے کی جرأت کرتے ہیں، جن سے بدعت کو فروغ ملے اور ان کی نفسانی خواہشات کو تسلی حاصل ہو، تو ایک سادہ لوح انسان ایسے لوگوں کے باطل افکار کو غیر شعوری طور پر قبول کرلے گا، جن کے نتیجہ میں غیر شعوری طور پر اس کے اچھے اعمال حبط ہوتے جائیں گے، کیونکہ ایسا شخص صحبت بد کی وجہ سے غلط کام اچھا سمجھ کر کرے گا، اور اس سے کبھی بھی رجوع کرنے کی فکر نہیں کرے گا، پھر وہ ان غلط عادات کو اچھا سمجھ کر جتنے بھی اچھے کام کرے گا اتنا ہی خدا تعالیٰ سے دور ہوتا جائے گا، امام شاطبیؒ اپنی کتاب "الإعتصام" میں ایسے شخص کی صحبت سے دور رہنے اور اس کے سنگین نتائج رونما ہونے کے متعلق اکابر امت کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عن الحسن: لا تجالس صاحب بدعة فإنه يمرض قلبك"(١)

(حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ تم بدعتی کے پاس نہ بیٹھو، کیونکہ وہ تمہارے دل کو روگی بنادے گا)

اسی طرح حضرت یحی بن أبی کثیرؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إذا لقيت صاحب بدعة في طريق، فخذ في طريق آخر"(٢)

(جب تم کسی راستہ میں کسی بدعتی سے ملو تو تم دوسرا راستہ اختیار کرو)

اسی طرح حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لا تجالسوا أهل الأهواء ولا تجادلوهم فإني لا آمن أن يغمسوكم في ضلالتهم ويلبسوا عليكم ما كنتم تعرفون"(٣)

(١-٢-٣)الاعتصام للشاطبی: ١/٨٣

(تم خواہشات کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ ہی ان کے ساتھ جھگڑو، کیونکہ میں اس بات سے مطمئن نہیں ہوں کہ وہ تمہیں گمراہی میں نہ ڈالیں گے اور جو کچھ تم جانتے ہو اس میں تم کو شک میں ڈالنے کی کوشش نہ کریں گے)

خلاصہ

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ بدعات کے سد باب کے لیے بنیادی بات یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کتاب وسنت سے گہری واقفیت رکھتا ہو، اس کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنے کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اہم فریضہ کو ادا کرنے کے لیے ہمہ وقت فکر مند ہو، نیز ایسے گمراہ لوگوں کی صحبت بد سے اجتناب بھی برتتا ہو جو دین اسلام کے مضبوط قلعہ میں مختلف حربوں سے نقب لگانے کی مذموم کوششیں کرتے ہیں، تاکہ ایسے لوگوں کے غلط افکار سے متاثر ہونے کا موقع ہی نہ ملے، اور اس طرح وہ شخص اپنے رب کے حضور دین اسلام کے وفادار سپاہیوں میں شمار کرلیا جائے جن کے لیے قرآن وحدیث میں بڑے بلند مقامات کا تذکرہ ہے۔

محرم الحرام کی بدعات

فضیلت واہمیت

''محرم الحرام''اسلامی کلینڈر کا پہلا مہینہ ہے، یہ مہینہ عہد جاہلیت ہی سے خاصی اہمیت کا حامل رہا ہے،اس کی عظمت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب عیسائی اور یہودیوں کے علاوہ وہاں کے مشرک بھی اس مہینہ میں جنگ نہیں کرتے تھے، اوراس کی دسویں تاریخ کوروزہ کا اہتمام کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ نے بھی اس روزہ کا اہتمام فرمایا، چنانچہ رمضان کے روزوں سے قبل مسلمان بھی دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے جو بعد میں مستحب کے درجہ میں باقی رہا، البتہ نبی ﷺ نے اپنے آخری وقت میں یہ فرمایا تھا کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو دسویں کے روزہ کے ساتھ نویں یا گیارہویں کا روزہ بھی شامل کرلوں گا تاکہ یہود ونصاریٰ سے تشابہ باقی نہ رہے۔(۱)

دین اسلام میں اس مہینہ کی اہمیت وعظمت کا اندازہ سب سے بڑھ کر اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں مہینوں کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے چار مہینوں کو محترم بتایا گیا ہے، ان میں سر فہرست ''محرم الحرام'' ہی کا مہینہ ہے، بقیہ رجب، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں (۲) ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِي كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ

---

(۱) ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، كتاب الصيام، باب أي يوم يصام في عاشوراء: ۲۷۲۲

(۲) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع: ٤٤٠٦

خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ (التوبة:۳۶)

(بلاشبہ مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک اللہ کے نوشتہ میں جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا بارہ ہی ہے، ان میں چار حرمت والے ہیں)

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد اہم واقعات بھی اسی مہینہ میں پیش آئے ہیں، مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی پہاڑ کے کنارہ لگنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ظالم و جابر فرعون کے شکنجہ سے خلاصی ملنا، حضرت ایوبؑ کو بیماری سے شفا نصیب ہونا، حضرت یونسؑ کا مچھلی کے پیٹ سے باہر نکلنا۔

یہ محرم الحرام کی اہمیت وعظمت ہی کی بات ہے کہ اس مہینہ میں تاریخ اسلام کے اندر بھی بعض ایسے اہم واقعات پیش آئے جن کی بنیاد پر یہ مہینہ مزید اہمیت کا حامل ہوگیا، مثلاً: نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کا اہل مکہ کی ایذا رسانیوں سے تنگ آکر بحکم خداوندی مدینہ ہجرت کرنا، حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ جیسے اجلہ صحابہ کا راہِ خدا میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا، نواسۂ رسول حضرت حسینؓ بن علیؓ کا احقاق حق وابطال باطل کی خاطر اسی مقدس وقابل عظمت مہینہ میں اپنی جان قربان کردینا۔

شہادتِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

تاریخ اسلام میں محرام الحرام کے اندر جو واقعات پیش آئے ان میں خاص سیاسی ومذہبی اسباب کی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مہینہ میں جتنی بھی بداعت وخرافات رائج ہیں ان سب کی بنیاد ''شہادت حسینؓ'' کا واقعہ ہی ہے۔

حضرت حسینؓ کی شہادت کو شیعوں نے اپنے مذہب کی بنیاد بنا کر مختلف بدعات کو جنم دیا اور انہیں سے متاثر ہوکر مسلم معاشرہ میں بھی یہ بدعات رائج ہوگئیں، مسلمانوں کا ایک طبقہ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ان کا ہمنوا بن گیا، جو اس مہینہ کی

بدعات وخرافات میں انہیں کے شانہ بشانہ نظر آتا ہے۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مہینہ کی بدعات کا جائزہ لینے سے قبل مناسب ہے کہ شہادت حسین کے سیاق وسباق، اوراس کی غرض وغایت کوبھی بیان کردیا جائے تاکہ تاریخ اسلام کے اس حساس ونازک واقعہ کی بنیاد پر جس طرح مسلم جذبات کومہمیز کیا جاتا ہے اس کی حقیقت بھی سامنے آسکے۔

واقعہ کربلا

حضرت حسینؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہردل عزیز بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسہ اور حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی ہیں، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ وحسینؓ سے بہت محبت فرماتے تھے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو اپنے کاندھوں پر بٹھالیتے، کبھی حالت سجدہ میں اگران دونوں میں سے کوئی پیٹھ پرسوار ہوجاتا تو لمبا سجدہ فرماتے، ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میرے یہ دونوں بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے (۱) غرض کہ اہل بیت سے محبت کے متعلق احادیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات غیر معمولی مقام بلند کے حامل ہیں، یہ مقام بلند ہی کی بات ہے کہ حضرت حسینؓ کی المناک شہادت کا واقعہ بھی اسی مقدس ومحترم مہینہ (محرم الحرام) میں پیش آیا۔

اس دردناک واقعہ کے پیش آنے میں جن تخریب پسند عناصر کا کردار رہا، دنیا آج انہیں ''شیعانِ کوفہ'' کے نام سے جانتی ہے، جنہوں نے مفاد پرستی کی خاطر دوغلے پن کی پالیسی اختیار کی، اور حضرت حسینؓ کو جھوٹے خطوط لکھ کر یہ باور کرایا کہ ہم زندگی کی آخری سانس تک آپ کے ساتھ ہیں، ہمیں آپؓ کی موجودگی میں یہ بات ہرگز گوارہ نہیں کہ یزید جیسا غیر سنجیدہ انسان ہمارا خلیفۃ المسلمین ہو، جس کو حضرت معاویہؓ نے ناحق خلیفہ مقرر کردیا ہے، ان کی یہ خواہش جو بظاہر بہت نیک تمناؤں پر مبنی نظر

(۱) یہ تمام روایات کتب ستہ میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے مناقب میں بیان کی گئی ہیں۔

آرہی تھی سیاسی مفاد کے سوا کچھ نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ جب یزید کو ان کی اس بدعہدی کا پتہ چلا اور اس نے کوفہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ابن زیاد کو بھیجا، تو انہوں نے بغیر کسی تردد کے حضرت حسینؓ کی معیت سے ہاتھ جھاڑ لیے، جس سے ان کی بزدلی اور نفاق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ورنہ خطوط کے ذریعہ نظر آنے والی ایک بہادر قوم ایسے سنگین حالات میں اپنا موقف ہرگز نہیں بدلتی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے اسی منافقانہ، مفاد پرستانہ اور بزدلانہ مزاج نے حضرت حسینؓ کو تن تنہا چھوڑ دیا، کیونکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہ لینے کے عوض بڑے بڑے سودے کر چکے تھے، اس لیے ان لوگوں نے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کی خاطر اب یہی مناسب سمجھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ یہیں شہید کر دیا جائے، تاکہ یزید کے لوگوں کو ہماری اس غداری کا علم نہ ہو سکے، جس کے گواہ خود ہمارے ہاتھوں لکھے خطوط ہیں۔

چنانچہ ۱۰/محرم الحرام کو فجر کے بعد گھمسان کا رن پڑا، مسلمان جو قلیل مقدار میں تھے تیزی سے جام شہادت نوش کرتے گئے، اخیر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گھیرے میں لے لیا گیا، آپؓ بہت ہمت سے مقابلہ کرتے رہے، لیکن یکبارگی دشمنوں کے حملہ کی آپ تاب نہ لا سکے اور راہ خدا میں شہید ہو گئے۔(۱)

ان تمام حقائق اور حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کے پس پردہ ''شیعان کوفہ'' کی سازشوں کے متعلق تاریخ کی کتابیں گواہ ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے محض اپنے مفاد کی خاطر یہ سب کیا، اور حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد بھی اپنی مفاد پرستانہ ذہنیت کا کھلا ثبوت دیتے ہوئے محض شہادت پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپؓ کی قبر کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا، یومِ شہادت کو ''اظہار غم منانے'' کا عنوان دے کر ایسی بدعات و خرافات کو جنم دیا جن سے اسلام کے حصے بخرے

---

(۱) شیعوں کے تاریخی حقائق، سیاسی عوامل اور مذہبی عقائد سے واقفیت کے لیے قدیم مراجع میں ''تحفۂ اثنا عشریہ'' از: حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کا مطالعہ نہایت مفید ہے، اور جدید مراجع میں ''شیعیت-تحلیل و تجزیہ'' از: مولانا محمد نفیس خان ندوی، قابل استفادہ ہے۔

ہو جائیں اور اہل بیت کی روحوں کو تکلیف پہنچے۔

چونکہ انہیں شیعوں کا اپنی مکاری و شاطرانہ عقل کی بنیاد پر ایک زمانہ تک سیاسی عروج رہا ہے، اس لیے ان کے ذریعہ یہ گڑھی ہوئی بدعات مسلمانوں میں بھی دین سمجھ کر کی جانے لگیں، بالخصوص ہندوستان میں جہاں ایک عرصہ تک شیعہ شاہان اودھ کا اقتدار قائم رہا ہے، ذیل میں انہیں بدعات وخرافات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے جو شیعوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی رائج ہوگئی ہیں:

بدعات

غم کا مہینہ سمجھنا

سطور بالا میں بتایا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور اس سے قبل زمانہ جاہلیت میں بھی یہ مہینہ عظمت والا مہینہ تصور کیا جاتا تھا، جن لوگوں نے اس مہینہ میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا تھا، ان کے مشن کو آگے بڑھانے کا عہد تازہ ہوتا تھا، مگر افسوس کی بات ہے کہ وہ اعدائے اسلام جو بظاہر مسلمان نظر آتے ہیں، انہوں نے اس مہینہ کے متعلق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا سہارا لے کر لوگوں میں یہ تصور عام کر دیا کہ یہ مہینہ اہل بیت سے سچی محبت رکھنے والے ہر شخص کے لیے غم وسوگ منانے کا مہینہ ہے، اس میں کوئی بھی خوشی کا کام کرنا مناسب نہیں، اس میں جس قدر غم منانے کی انتہائی شکلیں اختیار کی جائیں گی اجر وثواب میں اتنا ہی اضافہ ہوگا، اس کی خاطر نہ جانے کتنی احادیث وروایات کو گڑھا گیا، اور ان کے ذریعہ سیدھے سادھے مسلمانوں کو ورغلایا گیا، جب کہ اسلامی تعلیمات میں یہ بات صراحت سے موجود ہے کہ کسی کے لیے کسی بھی شخص کا باقاعدہ غم منانا تین دن سے زیادہ درست نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں آپ کے محبوب چچا حضرت حمزہ

رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ پیش آیا، جس کا آپ کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا، مگر احادیث کے ذخیرہ میں سے کسی بھی ایک حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے ہر سال ان کا غم منایا ہو، یا اپنے جانثار صحابہؓ میں سے جو راہ حق میں قربان ہوگئے، ان میں سے بھی کسی کا غم منایا ہو، اس کے علاوہ آپ ﷺ کے وفا شعار صحابہؓ کی زندگیوں میں بھی کسی کا غم منانے کے متعلق کوئی حوالہ نہیں ملتا، اگر ایسا ہوتا تو سب سے بڑھ کر وہ اپنے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی وفات کے مہینہ کو غم کا مہینہ مانتے، اور اس میں غم منانے کی وہ انتہائی شکلیں اختیار کرتے، جن سے ان کے غم کا اظہار ہوتا ہو، لیکن چونکہ یہ تمام اعمال شریعت اسلامیہ کے خلاف ہیں، اسی لیے خیر القرون میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، آپ ﷺ نے یہ بات صاف طور پر ارشاد فرمادی ہے کہ کسی کے لیے تین دن سے زیادہ غم منانا جائز نہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”لَا تُحِدُّ عَلىٰ مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا الْمَرْأَةُ تُحِدُّ عَلىٰ زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَ عَشْراً“(١)

(تم کسی میت پر تین دن سے زیادہ غم نہ مناؤ، سوائے عورت کے کہ وہ اپنے شوہر پر چار مہینہ دس دن تک سوگ منائے گی)

معلوم ہوا کہ اس مکرم ومحترم مہینہ کو غم کا مہینہ تصور کرنا عبث ہے، دین اسلام کے ماننے والوں کے لیے ہر دن اور ہر مہینہ خوشی کا ہے، جو لوگ اس مہینہ کو غم اور سوگ منانے کا مہینہ تصور کرتے ہیں، وہ درحقیقت یا تو سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود کسب دنیا کی خاطر اس کے داعی ہیں، یا ناواقفیت کی بنیاد پر اس کے قائل ہیں۔

تعزیہ داری

”تعزیہ“ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تسلی دینے کے ہیں، عرف میں تعزیہ سے مراد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کے مشابہ کاغذ اور لکڑیوں وغیرہ سے تیار

(١)سنن ابن ماجة، كتاب الطلاق، باب هل تحد المرأة على غير زوجها: ٢١٦٥

کردہ شبیہ ہے، جس کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں(۱) شیعہ حضرات تعزیہ کی ان مختلف شکلوں میں ایک خطیر رقم صرف کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے سچی محبت کا دم بھرتے ہیں، اس کی ابتداء کے متعلق تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر تیمور لنگ جو حضرت حسینؓ کے عقیدت مندوں میں تھا، وہ ہر سال حضرت حسینؓ کے روضہ اطہر پر جاتا تھا، ایک مرتبہ اپنی بعض سیاسی مصروفیات کی بنا پر حاضری نہ دینے کے سبب اس نے آپ کے روضہ اطہر کی شبیہ بنوا کر اسی سے اپنی دلی تسکین کا سامان کیا، یہیں سے رفتہ رفتہ تعزیہ داری کی شکلوں میں ہر سال اضافہ ہوتا گیا، اس کے بعد معز الدولہ دیلمی نے اس بدعت کو فروغ دینے میں کلیدی کردار ادا کیا (۲) اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضرت حسینؓ سے سچی محبت رکھنے والا اسی کو سمجھا جانے لگا جو محرم الحرام میں تعزیہ داری کے اندر شریک ہو، اور اس کے ساتھ ماتم ونوحہ وغیرہ کی جو دیگر خرافات ہیں ان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے، افسوس کی بات ہے کہ ایسے لوگ محض اپنی تفریح طبع کے لیے واضح اسلامی تعلیمات سے سر مو انحراف کر جاتے ہیں اور وہ تمام حدیں پار کر جاتے ہیں، جن سے ان شہدائے اسلام کی روحوں کو تکلیف پہنچے، جنہوں نے راہ حق میں اپنی جانیں قربان کر دیں، ان شہدائے اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں تھا کہ ان کے نام پر بدعات وخرافات کا بازار گرم ہو، ان کی زندگیوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی چیزوں کے مخالف رہے جو شرک تک پہنچاتی ہوں اور کتاب وسنت سے دور کرتی ہوں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ جن کو شیعہ حضرات اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں خود اس کے مخالف ہیں، انہیں کی ایک مذہبی کتاب "من لا يحضره الفقيه" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعزیہ کے متعلق یہ جملہ لکھا ہے:

"جو شخص کسی قبر کو پھر سے بنائے یا اس کی شکل وشبیہ (تعزیہ) بنائے تو

---

(۱) تعزیہ کی آٹھ شکلیں بیان کی جاتی ہیں: (۱) تعزیہ (۲) ضریح (۳) ذوالجناح (۴) مہندی (۵) تابوت (۶) علم (۷) براق (۸) تخت

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاريخ الخلفاء للسيوطي: ۱/۳۴۵

وہ اسلام سے خارج ہے''۔(۱)

معلوم ہوا تعزیہ داری میں شرکت کرنا اہل سنت والجماعت کا مزاج نہیں، یہ ان شیعوں کا شیوہ ہے جن کی کوئی چیز بھی صداقت پر مبنی نہیں، لیکن غور کا مقام ان لوگوں کے لیے ہے جو اس زمرہ سے خارج ہیں، مگر پھر بھی ایسی خرافات کو فروغ دینے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں، اور اس کو اسلامی شعار تسلیم کرتے ہیں، اگر ان کو کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح بات سمجھانے کی کوشش بھی کی جائے تو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتے، بلکہ مختلف قسم کی واہیات تاویلیں کرنے لگتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ تعزیہ امام حسینؓ کی محبت میں بناتے ہیں، اگر یہ نہ کریں تو روئے زمین پر کوئی ان کا نام لیوا باقی نہ رہے گا، کوئی کہتا ہے کہ اگر امام صاحب امت کے واسطے اپنا سر کٹوا سکتے ہیں تو کیا ہم ان کے واسطے ہر سال تعزیہ بھی نہیں نکال سکتے، بعض ناواقف تو یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ تعزیہ داری ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے، اب کون سی نئی کتاب میں اس کی ممانعت وارد ہوگئی، اور بعض ناسمجھ اس فعل عبث میں اپنے آباء واجداد کے طریقہ کو اصل قرار دیتے ہوئے اس کو ایک کارِ خیر تصور کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ عقیدۂ توحید سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، کیونکہ بعض لوگوں کا تعزیہ کے متعلق یہ باطل عقیدہ بھی ہے کہ نعوذ باللہ اس میں حضرت حسینؓ بذات خود موجود ہیں، ہم انہیں کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ سب بے عقلی کی باتیں ہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تمام تاویلیں حقیقی علم سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہیں، ورنہ کسی کا یہ کہنا کہ اگر ہم امام حسینؓ کی یاد میں تعزیہ داری کرنا چھوڑ دیں تو روئے زمین پر ان کا کوئی نام لینے والا نہیں رہے گا، یا یہ کہنا کہ ہم ان کی عظیم قربانی کے پیش نظر ہر سال تعزیہ داری بھی نہیں کر سکتے؟ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے بھی صحیح معنی میں اسلامی تعلیمات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، کتاب وسنت کو اپنے لیے حرز جاں سمجھا، تاریخ کے اوراق میں ان کی

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ: ۱/۱۲۰

زندگی کا ایک ایک صفحہ محفوظ ہے، حضرت حمزہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر شہدائے اسلام جن کے نام پر پوری دنیا میں کوئی تعزیہ یا غم کا کوئی دن نہیں منایا جاتا، تمام عالم میں ان کے جاننے والے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے موجود ہیں، تو یہ کیسے ممکن تھا کہ امت مسلمہ اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسینؓ کو بھلا دیتی، جن عظیم مقاصد کے تحت انہوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا انہیں کو فراموش کر دیتی، پھر دوسری بات یہ کہ جو لوگ آپ کی یاد تازہ کرنے کی خاطر ان بدعات وخرافات کو فروغ دیتے ہیں، ان کی خود کی زندگیاں کس حد تک آپؓ کی زندگی کے مطابق ہیں، اگر ان کی یاد تازہ کرنے کے لیے ان کے نقش قدم پر چلے بغیر چند مخصوص ایام میں صرف تعزیہ داری ہی کافی ہے، تب تو یہ بڑا ہی مضحکہ خیز امر ہے۔

اسی طرح جو لوگ تعزیہ داری کے سلسلہ میں اپنے آبائی طریقہ کو اصل قرار دیتے ہیں، اور اس فعل کو کتاب وسنت کے عین مطابق سمجھتے ہیں، وہ بھی درحقیقت ان کی کم علمی کی دلیل ہے، ورنہ کتاب وسنت ہی کیا، حضرت حسینؓ کی شہادت کے بھی ایک عرصہ بعد اس بدعت کی ایجاد ہوئی، البتہ اگر اب کوئی یہ کہے کہ کتاب وسنت میں اس کے کرنے کا حکم نہیں تو نہ کرنے سے منع بھی نہیں کیا گیا، تو یہ بات محض اس کے نفس کا دھوکہ ہے جس کی آڑ میں وہ نفس پرستی کے بتوں کو چھپائے ہوتا ہے، افسوس کی بات ہے کہ ایسے لوگ اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود اپنے گھٹیا اعمال کے ذریعہ غیروں کے سامنے اسلام کی ایک ایسی شکل پیش کرتے ہیں جس کے بعد دوسروں کے سامنے دین حق کو صحیح شکل میں پیش کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ ان کے پیش نظر ان بدعملوں کی زندگیاں ہوتی ہیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ شریعت اسلامیہ میں تعزیہ کی کوئی اصل موجود نہیں، اس سلسلہ میں لوگوں کے اعتراضات بھی سطحی ہیں جن کو پڑھ کر ہنسی آئے، اور اس کے فروغ دینے میں بھی سوائے اسلامی تعلیمات سے دوری کے اور کچھ نہیں، تعزیہ داری کے جواز کے بعد بات صرف تعزیہ داری تک ہی محدود نہیں رہتی، بلکہ اس کے بعد بہت سی

وہ خرافات بھی وجود پاتی ہے، جن سے قرآن وحدیث میں صراحۃً منع کیا گیا ہے، تعزیہ داری کے عنوان سے محرم کے پہلے عشرہ میں بازاروں کے اندر بے حیائی کا عموم، غیر ضروری چیزوں میں مال کا اسراف اور فرائض سے غفلت عام بات ہے، جب کہ مذہب اسلام میں ان تمام چیزوں کی کھل کر ممانعت موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام علمائے کرام نے اس متعدی بدعت پر سختی سے نکیر کی ہے، اس کو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی عمل بتایا ہے، فقیہ الہند علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عشرۂ محرم یا اس کے ماسوا کسی بھی وقت تعزیہ وعلم و دُلدُل وغیرہ بنانا بدعت ہے، جس کا ثبوت نبی ﷺ کے زمانہ سے لے کر تابعین تک نہیں ملتا، یہ تمام چیزیں خود اپنی ایجاد اور مقرر کردہ ہیں، جن کا احترام کرنا بتوں کی پرستش کے مشابہ ہے، کسی نئے ایجاد کردہ کام کو دین میں داخل کرنا، فخر اور اجر وثواب کا سبب سمجھنا تعجب اور حیرت ہے، ثواب وعقاب کا معاملہ توقیفی ہے، شریعت جو حکم دیدے اس پر عمل کرنا چاہیے"۔(۱)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعض لوگ تعزیہ داری میں کسی بھی حیثیت سے حصہ نہیں لیتے، لیکن ان تمام تماشوں کو دیکھنا بھی عار کی بات نہیں سمجھتے، لہٰذا ان کا یہ عمل قرآن مجید کی رو سے تعاون علی الاثم والعدوان سے خالی نہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ایسے واہیات امور کو دیکھنے سے بھی محتاط رہا جائے، تاکہ تعاون کی اس ناجائز شکل میں شمار نہ ہو، اور غیروں کے لیے یہ دیکھنا سند جواز بھی فراہم نہ کرے۔

ماتم ونوحہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا دم بھرنے والے شیعہ حضرات محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم میں "ماتم ونوحہ" کو اپنا مذہبی شعار مانتے ہیں، حضرت حسینؓ کی یاد میں سینہ کوبی کرتے ہیں، گریبان پھاڑتے ہیں، نوحہ

(۱) فتاوی عبدالحی: ۹۳، مترجم از: مولانا خورشید عالم صاحب

خوانی کرتے ہیں، اظہارغم کے نام پر کبھی اپنے جسم پر شیشہ پھوڑتے ہیں، کبھی آگ پر چلتے ہیں کبھی تلوار پر، گویا اظہارغم کم شعبدہ بازی زیادہ، اس کی ابتداء کے متعلق شیعوں کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جاہلی رسم یزید کے دربار سے شروع ہوئی، ''جلاء العیون'' میں ذکر ہے کہ جب یزید کی بیوی ہندہ کو حضرت حسینؓ کی شہادت کا علم ہوا تو اس کے گھر میں باقاعدہ زیور وغیرہ اتار کر ماتمی لباس پہنا گیا، پھر وہ تمام جاہلی امور انجام پائے جو نبوی تعلیمات کے خلاف تھے، یہ ماتمی سلسلہ مسلسل تین دن تک جاری رہا(۱) وہیں سے ماتم ونوحہ کی یہ قبیح رسم چل پڑی، جو آج اپنی انتہائی شکلوں میں شریعت بیزار لوگوں کے یہاں موجود ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان یا نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنے والے لوگ بھی ایسی پرفتن چیزوں سے اتنا مرعوب ہوجاتے ہیں کہ ان کو ایسی شنیع حرکتوں کے انجام دینے میں شریعت اسلامیہ کی واضح تعلیمات کا حجاب بھی حائل نہیں رہتا، نبی اکرم ﷺ نے ان تمام امور کو جاہلی امور قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام علمائے اہل سنت والجماعت ہمیشہ اس کے مخالف رہے ہیں، خود شیعوں کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی ایسے جاہلیت والے کاموں کی ممانعت ہے، انہیں کی ایک کتاب ''اعلام الوری'' میں حضرت حسینؓ کی اپنی ہمشیرہ کو یہ وصیت موجود ہے:

''اے بہن! میں تجھے قسم دیتا ہوں، میری قسم کی لاج رکھنا کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو مجھ پر گریبان چاک نہ کرنا، نہ اپنے چہرہ کو نوچنا اور نہ ہائے مصیبت! ہائے تباہی! کے الفاظ سے واویلا کرنا''۔(۲)

اس کے علاوہ شیعوں کی تفسیر ''عمدۃ البیان'' وغیرہ میں بھی ان امور پر نکیر کی گئی ہے، لیکن ان تمام حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے، ان کے یہاں اظہارغم کا یہ ایک عمدہ طریقہ مانا جاتا ہے، مگر افسوس ان لوگوں پر ہے جو حضور اکرم ﷺ کی سچی اتباع کے دعویدار ہیں، اور ایک مخالف سنت فعل کو اظہارغم کا جائز طریقہ سمجھتے ہیں، عقل سے

(۱) ملاحظہ ہو: جلاء العیون: ۵۲۲ (۲) اعلام الوری: ۲۳۶

ذرا بھی اس بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اگر یہ جائز ہوتا تو خیر القرون میں کہیں تو اس کا حوالہ ملتا، چند مخصوص ملکوں کے علاوہ جو جگہیں اسلام کا مرکز ہیں، وہاں بھی اظہارِ غم کا ایسا کوئی طریقہ تو اختیار کیا جاتا، یا احادیث میں ایسے اعمال کے متعلق کچھ تو نرمی اختیار کی جاتی، اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ ہمارے کھلے عام چوراہوں پر ایسی انسانیت بیزار حرکتوں سے غیروں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، وہ ہماری ان حرکتوں کو ہمارا ذاتی فعل سمجھیں گے یا دین اسلام کا جزء، جب کہ اسلامی تعلیمات کا ایسے اعمال سے کوئی علاقہ نہیں، نبی اکرم ﷺ نے صاف طور پر فرمادیا:

"لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَی الْجَاهِلِیَّةِ" (۱)

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو چہروں کو پیٹے، گریبان کو پھاڑے اور جاہلیت کی طرح واویلا مچائے)

اسی طرح نوحہ خوانی کے متعلق آپ ﷺ نے صاف طور پر ارشاد فرمادیا:

"النِّیَاحَةُ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ" (۲) (نوحہ خوانی جاہلیت کا عمل ہے)

حضور اکرم ﷺ کی ماتم و نوحہ کے متعلق ان احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام خاندانی روایات سے صرف نظر آپ ﷺ کی بات کو ہر روایت پر مقدم رکھا جائے، نفس ہزار مرتبہ ماتم و نوحہ کو اچھا تسلیم کرے، مگر ہر صاحب ایمان کے لیے آپ ﷺ کا فرمان اس کے نفس کی اتباع سے بڑھ کر ہو تبھی وہ شخص کامل ایمان والا بن سکتا ہے۔

محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ محرم الحرام میں ماتم و نوحہ کی بدعت پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(اگر آپ کے یوم شہادت کو ماتم و مصیبت کا دن بنانا جائز ہوتا تو

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب لیس منا من شق الجیوب: ۱۲۹٤

(۲) سنن ابن ماجة، کتاب الجنائز، باب فی النهي عن النیاحة: ۱٦٤٨

سوموار کا دن اس بات کا زیادہ مستحق تھا، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی روح مبارک قبض فرمائی، اسی طرح اس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا) (۱)

مرثیہ خوانی

مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: ''وہ اشعار جن کے ذریعہ مردہ پر اظہار غم کیا جائے''، یہ اصناف شاعری کی ایک صنف ہے، عہد نبوی ﷺ میں حضرت خنساءؓ بنت شرید کو اس سلسلہ میں خاصی شہرت حاصل تھی، عربی ادب میں ان کے مراثی مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، مرثیہ میں شاعر مرنے والے کی خوبیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جس کے متعلق خود ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اپنے مرنے والے کی اچھائیوں کا تذکرہ کرو، اب یہ تذکرہ کرنا انسان کی اپنی صلاحیت پر موقوف ہے، اگر کسی کو شعر وسخن سے دلچسپی ہے تو وہ منظوم طریقہ میں کسی کو خراج عقیدت پیش کرسکتا ہے، اور اگر کوئی نثر سے تعلق رکھتا ہے تو وہ اس طریقہ سے پیش کرسکتا ہے۔

محرم الحرام میں شہدائے کربلا کا تذکرہ اسی مرثیہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، جو فی نفسہٖ درست ہے، مگر اس کے ممنوع ہونے کی وجہ ایک غیر ضروری امر کو ضروری قرار دینا، اس کو باقاعدہ رسم بنالینا اور اس میں ایسے اشعار شامل کرنا ہے جو بعض اوقات انسان کو شرک تک پہنچادیتے ہیں، اور جن سے اہل بیت اطہار وشہدائے اسلام کی مدح سرائی کے بجائے تحقیر واہانت لازم آتی ہے، نبی اکرم ﷺ نے مرثیہ خوانی کے اسی طریقہ کو غلط قرار دیا ہے، ابن ماجہ کی روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرَاثِيْ''(۲)

(نبی ﷺ نے مردہ کے محاسن بیان کرکے رونے سے منع فرمایا)

---

(۱) غنیۃ الطالبین: ۵۳۷، مترجم از: مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی سعیدی، ط: رومی پرنٹرز، لاہور

(۲) سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في البكاء على الميت: ۱۶۶۰

یہی وجہ ہے کہ مرثیہ خوانی کی اس موجودہ رسم کو تمام علماء نے ناجائز قرار دیا ہے، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی محرم الحرام کے مہینہ میں مرثیہ خوانی وغیرہ کو ناجائز قرار دینے کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کا ناجائز ہونا، ''مناہی ومنکرات'' سے مملو ہونے کے سبب ہے۔(۱)

سیاہ لباس

محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں سیاہ لباس پہننا شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت حسینؓ کی شہادت کا سوگ منانے کی شناخت ہے، اسی لیے پورے عشرہ میں شیعہ لوگ سیاہ لباس کا خاص اہتمام کرتے ہیں، جب کہ غم اور سوگ منانے کے واسطہ سیاہ لباس پہننے کی اجازت نہ عقل دیتی ہے اور نہ ہی نقل سے ثابت ہے، عقل سے یوں نہیں کہ اگر اظہار غم ہی مقصود ہے تو اس کے لیے باقاعدہ مخصوص کپڑوں کا اہتمام کرنا ضروری نہیں، بلکہ جب انسان غم میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کو ان تمام لوازمات کی فرصت بھی نہیں ہوتی، رہی بات نقل کی تو خود ان کی کتابوں میں اس کی ممانعت ان کے ائمہ سے موجود ہے، انہیں کی ایک کتاب ''عیون الأخبار'' میں حضرت علیؓ کا یہ جملہ موجود ہے:

''میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنا کرو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا لباس سیاہ ہے''۔(۲)

سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کے متبعین کو یہ بات ہرگز جائز نہیں کہ وہ اظہار غم کے لیے کسی خاص لباس کا اہتمام کریں، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو اظہار غم کے لیے اپنی چادریں اتارے اور صرف کرتا پہنے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت برہم ہوئے، اور اس کو جاہلی عمل سے تشبیہ دی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبعین کے لیے اس بے ضرورت اہتمام کی کوئی گنجائش نہیں۔(۳)

---

(۱) ملاحظہ ہو:- عرفان شریعت، مسئلہ:۷۰، صفحہ:۱۱ (۲) عیون الأخبار: ۲/۲۲

(۳) ملاحظہ ہو: ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن التسلب.: ۱۵۵۲

ڈھول تاشہ

عجیب بات ہے کہ ڈھول تاشوں کا بجانا عرف میں دنیاداروں کے یہاں خوشی کے موقعوں پر رائج ہے، مگر شیعہ حضرات شہدائے کربلا کی یاد میں اظہارغم کے لیے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کرتے ہیں، اوران کی دیکھادیکھی بعض مسلمان بھی اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے، خدا جانے ان کا یہ عمل اظہارغم کا غماز ہے یا اندرون کی خوشی کا، ان کا یہ عمل خواہ کچھ ہو، مگر فی الحقیقت اس کا مذہب اسلام سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا، کیونکہ ایک طرف تو دین اسلام گانے بجانے ہی کا قائل نہیں، دوسری طرف اس راہ سے وہ ساری برائیاں بھی درآتی ہیں جن کا حرام ہونا صراحت سے ثابت ہے، اظہارغم کے لیے جولوگ ڈھول تاشے بجاتے ہیں، عموماً ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ شراب کے نشہ میں دھت، طہارت سے دور، فرائض سے غافل، بے حیائی کا مجسم پتلہ بنے ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسے آلات لہو ولعب سے دور رہنے کی دین اسلام میں سخت تعلیمات وارد ہوئی ہیں، علمائے امت نے ان سے اعتناء کو نفاق کا موجب قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مشہور حدیث ہے:

"اَلْغِنَاءُ یَنْبُتُ النِّفَاقَ فِیْ الْقَلْبِ"(۱)

(گانا بجانا دل میں نفاق کا بیج بودیتا ہے)

یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں گانے بجانے اوراس قسم کے آلات پر شدت سے پابندی عائد کی گئی ہے، اس کو شیطانی عمل بتایا گیا ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ انسان کا نامہ اعمال خراب ہوتا ہے، بلکہ جدید دور میں طبی تحقیقات کے مطابق انسان کے جسم پر بھی اس کے برے اثرات پڑتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے مقاصد بیان فرماتے ہوئے معازف ومزامیر کے متعلق ارشاد فرمایا:

'إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بَعَثَنِیْ رَحْمَةً وَهُدًی لِلْعَالَمِیْنَ وَأَمَرَنِیْ أَنْ

---

(۱)سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب کراهیة الغناء والزمر: ۴۹۲۹

أَمْحَقَ الْمَزَامِيرَ وَالْكَبَارَاتِ وَالْمَعَازِفَ"(۱)

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت وہدایت بنا کر بھیجا ہے، اور مجھے حکم دیا ہے معازف ومزامیر اور ڈھول وغیرہ کے مٹانے کا)

اس کے علاوہ بھی دیگر آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ گانے بجانے کا یہ عمل دشمنان دین کا کام ہے، اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، روایات میں آتا ہے کہ دشمنان دین آپ ﷺ کی دعوت سے بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے ایسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتے تھے، تاکہ کہیں آپ کی پراثر تقاریر ان کے کانوں میں ایمانی حلاوت کا رس نہ گھول دیں، گانے بجانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر تو یہ ہے کہ انسان اپنے کانوں کو اور دیگر اعضاء وجوارح کو بھی ان تمام ممنوعات سے محفوظ رکھے، جن کو شریعت میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا ہے، کیونکہ یہ سب چیزیں امانت الٰہی ہیں، ارشاد الٰہی ہے:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (الاسراء: ۳٦)

(یقیناً کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا)

ایصال ثواب

بعض مسلم علاقوں میں یہ بدعت بھی رائج ہے کہ دس محرم کی صبح کو یا بسا اوقات محرم الحرام کے مکمل پہلے عشرہ میں شہدائے کربلا کے لیے ایصال ثواب کی مجالس کا انعقاد کیا جاتا ہے، اجتماعیت کے ساتھ کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام کا اہتمام بھی ہوتا ہے، اس میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایصال ثواب کے لیے جو دعائیں اور کلمات پڑھے جاتے ہیں، ان میں شرکیہ کلمات شامل ہوتے ہیں، جن کی بنیاد پر بعض دفعہ انسان کا ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

(۱)مسند أحمد، فی حدیث أبی أمامة الباهلي: ۹٤۸، رقم الحدیث: ۲۲۸۷۵

شہداء کے لیے ایصال ثواب کا کوئی مہینہ یا کوئی دن خاص کر کے ایسا اہتمام کرنا درست نہیں جو انسان کو خرافات اور بعض اوقات شرک تک پہنچا دے، شہدائے اسلام سے سچی محبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ انسان اپنی روزانہ کی زندگی میں جتنا ممکن ہو سکے ان کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کرے، علمائے حق کا یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے اسلاف کو کچھ نہ کچھ روزانہ ایصال ثواب کرتے تھے، البتہ اگر کوئی شخص صرف اسی مہینہ میں مخصوص طریقوں پر ایصال ثواب کو خاص اہمیت دیتا ہو، اس کے علاوہ بقیہ ایام میں ان شہداء کی زندگیوں کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش نہ کرتا ہو اور نہ ہی ان کے لیے کبھی ایصال ثواب کا اہتمام کرتا ہو، تو یہ اس کی لاپرواہی اور بے عقلی کی بات سمجھی جائے گی، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مخصوص ایام میں ایصال ثواب کے متعلق لکھتے ہیں:

''انسان کو اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب بزرگوں کو پہنچائے، لیکن اس کام کے لیے کوئی وقت، دن اور مہینہ مقرر کرنا بدعت ہے''۔(۱)

مجالس کا انعقاد

محرم الحرام کے مہینہ میں شہدائے اسلام کے عنوان سے مجالس کا انعقاد کر کے صرف حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذکر، منظر و پس منظر سے کاٹ کر بیان کرنا بھی شیعوں کا طریقہ ہے، شیعوں کے یہاں محرم کے پہلے عشرہ میں ایسی مجالس کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، اور ان میں واعظِ مجلس واقعہ کربلا کی تمام تر جزئیات کو بہت شرح وبسط سے بیان کرتا ہے، مگر ان تمام عوامل ومحرکات سے چشم پوشی کر جاتا ہے جن سے یہ معلوم ہو سکے کہ آخر حضرت حسینؓ کے ساتھ ایسا المناک واقعہ پیش آنے میں کن غداروں کا ہاتھ تھا، اس کا بیان اس سے بھی خالی ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کی عظیم شہادت کا کیا پیغام ہے، اس کا سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح فنی طور پر سماں باندھ کر

---

(۱) فتاویٰ عزیزیہ: ۱۹۹

مجلس میں رونے رلانے کی فضا بنائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اہل سنت والجماعت بھی محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں ''شہدائے اسلام'' کے عنوان سے مجالس کا انعقاد کر کے یہی روش اختیار کرتے ہیں، تو یقیناً بدعت ہے، البتہ اگر ان کا مقصود یہ ہو کہ چونکہ ان ایام میں شیعہ حضرات شہدائے اسلام کی یاد میں مجالس کا انعقاد کر کے تاریخ کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں، حقائق سے منھ پھیر کر ملمع سازی سے کام لیتے ہیں، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ان ایام میں شہدائے اسلام کے عنوان سے مجالس کا انعقاد کریں، اور ان میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا ذکر منظر وپس منظر کے ساتھ بیان کریں، اس کے ساتھ دیگر شہدائے اسلام کا بھی تفصیل سے تذکرہ کریں، ان کی زندگیوں کے پیغام کو لوگوں کی عملی زندگیوں میں نافذ کرنے کی دعوت دیں، تاکہ ہمارے اس عمل سے لوگوں تک صحیح پیغام پہنچ سکے، اور لوگ حق و باطل کے درمیان تفریق کر سکیں، ورنہ صرف رسمی طور پر شہدائے اسلام کے نام پر مجالس کے انعقاد کا اہتمام کر لینا، چند مقررین سے خطابات کرا لینا، تاریخ سے ناواقف رہنا، شہدائے اسلام کی زندگیوں کے پیغام سے غافل رہنا ایک صاحب ایمان کی شناخت نہیں، بلکہ یہ روافض کا طریقہ ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے محرم کے مہینہ میں رسمی طور پر صرف حضرت حسینؓ کی شہادت کے تذکرہ کے لیے مجالس کے انعقاد کی تردید کی ہے، البتہ دیگر شہدائے اسلام کے تذکروں کی ساتھ اس کی اجازت دی ہے، جب کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا تذکرہ تاریخی حقائق کے ساتھ ہو، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ''جامع الرموز'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

> ''اگر قتل حسینؓ کے تذکرہ کا ارادہ ہو تو اس سے پہلے تمام صحابہ کی شہادت کا ذکر ہونا چاہیے تاکہ روافض کے ساتھ مشابہت نہ رہے''۔(۱)

---

(۱) فتاویٰ عبدالحی: ۹۰

پانی وشربت کی سبیل

دودھ، پانی اور شربت کی سبیل لگانا، راہ گیروں کی تواضع کا معقول نظم کرنا یقیناً انسانیت کی بات ہے، خدمت خلق کے اس اہم کام پر نکیر کرنا بھی مناسب نہیں، لیکن اس نیک عمل کو غلط عقیدہ اور غیروں کی مشابہت، نیز چند مخصوص ایام میں انجام دینا یقیناً قابل گرفت ہے، اس لیے کہ بعض لوگوں کا ایسی سبیلوں کے لگانے میں یہ مقصد کارفرما ہوتا ہے کہ ہمارے اس کارِ خیر سے نعوذ باللہ حضرت حسینؓ کی پیاس بجھے گی، یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت والجماعت نے اس انسانیت نواز کام کو صرف مخصوص ایام میں کرنے پر نکیر کی ہے اور اس کو روافض کا شعار مانا ہے، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، ان ایام میں سبیل لگانے کے متعلق عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں:

> ’’محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کرنا اگر چہ روایات صحیحہ ہو، یا سبیل لگانا یا شربت پلانا، یا چندہ سبیل یا شربت میں دینا، یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے‘‘۔(۱)

البتہ اگر کوئی شخص یا جماعت ایسے نیک کاموں کا اہتمام سال کے دیگر ایام میں بغیر کسی فاسد عقیدہ کی شمولیت کے کرے، تو یہ کام نہ صرف خدمت خلق کا بڑا ذریعہ اور اتباع سنت کی اعلیٰ مثال ہوگا، بلکہ موجودہ حالات کے تناظر میں برادران وطن تک اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں بڑی حد تک ممد ومعاون بھی ہوگا۔

نوٹ:- یوم عاشوراء کو دودھ، پانی اور شربت کی سبیلیں لگا کر، خاص قسم کے پکوان کا اہتمام کر کے جس کا آئندہ سطور میں تذکرہ ہے، کھانے پینے کا ماحول بنانا، اس دن کو ایک تہوار کی شکل دینا بھی دشمنان دین کی ایک سازش ہی ہے، تا کہ اس کے ذریعہ جتنا ممکن ہو سکے مسلمانوں میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری پیدا کی جائے، کیونکہ اس دن سنت طریقہ تو یہ ہے کہ روزہ رکھا جائے اور ان تمام لغویات سے بچا جائے۔

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ: ۱۴۹

خاص پکوان کا اہتمام

ایک طرف محبان حسین کا حال یہ ہے کہ وہ سیاہ لباس پہن کر باقاعدہ اظہار غم کا اہتمام کرتے ہیں، وہ تمام شکلیں اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن سے غم جھلکے، اور دوسری طرف دس محرم کو بہت آب وتاب کے ساتھ خاص پکوان کا بھی اہتمام کرتے ہیں، جس کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ دن بھی ''عید الفطر'' اور ''عید الاضحیٰ'' کی طرح کوئی اسلامی تہوار کا دن ہو۔

شیعی افکار ونظریات سے متاثر جن علاقوں میں خاص قسم کے پکوان بنانے کا اہتمام ہوتا ہے، ان میں بالخصوص دس محرم کو ''کھچڑا'' بنانے کی بدعت بہت عام ہے، بعض جگہوں پر تقریباً ہر چوراہے پر کئی دیگ کھچڑا بنایا جاتا ہے، اور ہر راہ گیر کو بطور ثواب کھلایا جاتا ہے، کچھ لوگ اس بدعت کی ابتداء کے متعلق یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید نے ان کی عورتوں کو بطور مذمت سات قسم کے اناج ملا کر یہ کھانا کھلایا تھا، اسی سات قسم کے اناج سے تیار کردہ کھانے کو آج ہماری زبان میں کھچڑا کہا جاتا ہے،لیکن بحث وتحقیق کی میزان میں اس روایت کا کوئی حوالہ نہیں ملتا، البتہ تاریخ کی ایک مشہور کتاب ''البدایہ والنہایہ'' کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھچڑا پکانے کا یہ عمل خوارج ونواصب کی علامت ہے، جو حضرت حسینؓ کی شہادت کے دن اپنی خوشی کے اظہار کے لیے پکاتے تھے، عبارت یہ ہے:

”وقد عاكس الرافضة والشيعة يوم عاشوراء النواصب من أهل الشام، فكانوا إلى يوم عاشوراء يطبخون الحبوب، ويلبسون أفخر ثيابهم ويتخذون ذلك اليوم عيدا يصنعون فيها أنواع الأطعمة، ويظهرون السرور والفرح يريدون بذلك عناد الروافض ومعاكستهم“(۱)

(۱)البداية والنهاية: ۸/۵۹۹-۶۰۰

(شام کے رہنے والے ناصبی لوگوں نے روافض وشیعہ حضرات کی مخالفت کی، اسی لیے وہ عاشوراء کے دن مختلف قسم کے غلوں کا پکوان بناتے تھے، اور عمدہ کپڑے زیب تن کرتے تھے، اس دن کو عید کی طرح مناتے تھے، اسی لیے اس دن قسم قسم کے کھانے تیار کرتے تھے، جس سے وہ اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کرتے تھے، اوراس سب کا مقصدان کاشیعوں سے مخالفت کرنا ہوتا تھا)

نواصب کے اس پکوان بنانے کے پیچھے جو بھی وجہ رہی ہو، لیکن اس روایت سے یہ بات ضرور محقق ہوگئی کہ بالخصوص صرف دس محرم ہی کو کھچڑا بنانے کا اہتمام کرنے میں غیروں سے مشابہت ہے، جس کی شریعت اسلامیہ میں کسی صورت اجازت نہیں، نبی اکرم ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" (۱)

(جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے)

البتہ اگراس کے علاوہ ایام میں اس کو بنایا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، نہ ہی اس کے پکانے اور نہ ہی اس کے کھانے میں کسی کی مشابہت کا اندیشہ ہے، کیونکہ اس کے تمام اجزائے ترکیبی حلال ہیں، ان کے حرام کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، اور تمام حلال کردہ چیزوں سے لطف اندوز ہونے کا حکم خود قرآن میں دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللّٰهِ الَّتِيَ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الأعراف: ۳۲)

(پوچھئے کہ کس نے اللہ کے (دیئے ہوئے) زینت (کے سامان) حرام کیے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیے ہیں اور صاف ستھری کھانے کی چیزیں)

---

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۴۰۳۳

ملاحظہ:- روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یوم عاشوراء کو اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی ہے، بعض لوگ اس روایت کو ضعیف بلکہ موضوع کی حد تک مانتے ہیں، اوراس کو ایک بدعت قرار دیتے ہیں کہ عاشوراء کے دن گھر والوں پر خرچ کرنے کو کارِثواب سمجھنا یا اچھے کھانے تیار کرنا بدعت ہے، اسی کے برعکس بعض لوگ اسی روایت کا سہارا لیتے ہوئے کھچڑا وغیرہ بنانے کا جواز بھی تلاش کرتے ہیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”مَنْ وَسَّعَ عَلٰی عِیَالِہٖ وَأَھْلِہٖ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰہُ عَلَیْہِ سَائِرَ سَنَتِہٖ“(۱)

(جس شخص نے اپنے اہل وعیال پر عاشوراء کے دن وسعت کی، اللہ تعالیٰ پورے سال اس کے ساتھ وسعت کا معاملہ فرمائے گا)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں اس روایت کو متعدد اسانید سے ذکر فرمانے کے بعد یہ بات ذکر کی ہے کہ گرچہ اس کی اسانید میں ضعف ہے، مگر متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر اس کا یہ ضعف کم ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث کو اتنی آسانی سے موضوع کہہ دینا بھی مناسب بات نہیں، بلکہ اگر اس کو فضائل کی حد تک ملحوظ رکھا جائے تو بہتر ہے کہ دس محرم کو عام طور پر مسلمان حضرات روزہ رکھتے ہیں، اور عام طور پر روزہ کی حالت سے افطار کے وقت اچھے کھانے تیار ہی کئے جاتے ہیں، لیکن اس روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے بہت زیادہ اہتمام کرنا، اوراس عمل کو ثواب سمجھنا بھی مناسب نہیں، کیونکہ پھر یہ عمل بدعت کی قبیل میں شمار ہوگا۔(۲)

شادی بیاہ نہ کرنا

بعض لوگ اس مبارک مہینہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش

---

(۱)شعب الایمان للبیهقي، الباب الثالث والعشرون من شعب الایمان وهو باب الصوم: ۳۷۹۵

(۲)ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی:۱/۳۹۵

آنے کے سبب شادی بیاہ جیسی خوشی کی تقریبات کے انعقاد کو غلط تصور کرتے ہیں، ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اگر اس مہینہ میں شادی کی گئی تو اس کے نتائج اچھے مرتب نہیں ہوں گے، اور بہت جلد ہی زوجین میں تفریق ہونے کے قوی امکانات رہیں گے۔

اس جاہلانہ تصور کی حقیقت سوائے ایک ''موہوم نظریہ'' کے کچھ نہیں، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں تمام مہینے مبارک ہیں، سال بھر میں کوئی دن ایسا نہیں جس کو منحوس سمجھا گیا ہو، رہی بات اس مہینہ میں حضرت حسینؓ کی شہادت کی تو شاید ہی اس کے علاوہ بھی دوسرا کوئی مہینہ ایسا ہو، جس میں کوئی نہ کوئی اسلام کا سپاہی شہید نہ کیا گیا ہو، ظاہر بات ہے ان تصورات کو جگہ دینے کے بعد پورے سال ایسی تقریبات کا سلسلہ بند رکھنا، اپنے آپ پر شریعت کے وسیع حدود کو محدود کر لینے کے مرادف ہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ ایک استفتاء کے جواب میں جس کے اندر سائل ماہ محرم میں رائج بدعات کے متعلق اور اس ماہ میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں اسلامی نقطہ نظر معلوم کرتا ہے، فرماتے ہیں کہ ''یہ حرام ہے''۔(۱)

زیب وزینت ترک کرنا

اس مہینہ میں زیب وزینت ترک کرنے کی بدعت خواتین میں زیادہ رائج ہے، ان کے نزدیک چونکہ یہ مہینہ غم کا مہینہ تصور کیا جاتا ہے، اس لیے بناؤ سنگار سے دور رہنا ہی ان کے یہاں اولیٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے گھرانوں میں محرم کے شروع دس دن تک جھاڑو لگانا، کھانا بنانا اور زیب وزینت کو ترک کرنا افضل سمجھا جاتا ہے، شرعی نقطہ نظر سے یہ سارے امور سراسر جہالت ہیں، دین اسلام میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ کسی کی یاد میں ہر سال ایسا سوگ منایا جائے، بلکہ جیسا کہ سطور بالا میں گذرا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ایسا سوگ منانا ہی حرام ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس ماہ میں زیب وزینت ترک کرنے کے متعلق رقم طراز ہیں:

(۱) ملاحظہ ہو: احکام شریعت: ۱۴۳-۱۴۴ از: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ

''ان ایام میں قصداً زینت ترک کرنا جس کو سوگ کہتے ہیں، اور حکم اس کا شریعت میں یہ ہے کہ عورت کو صرف خاوند پر چار ماہ دس دن یا وضع حمل تک واجب ہے اور دوسرے عزیزوں کے مرنے پر تین دن جائز ہے باقی حرام، سو اب تیرہ سو سال کے بعد یہ عمل کرنا بلا شک حرام ہے''۔(۱)

یوم عاشوراء کی تعطیل

ہندوستان میں دس محرم الحرام کو سرکاری چھٹی ہوتی ہے، اس کے علاوہ بھی جو ادارے سرکار سے منسلک نہیں ہوتے، ان میں بھی تقریباً ہر جگہ عرصہ سے چھٹی کا معمول رہا ہے، عاشوراء کے دن کی اس چھٹی کے متعلق یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ چھٹی اس وجہ سے ہرگز نہیں ہے کہ اس روز حضرت حسینؓ کی المناک شہادت کا واقعہ پیش آیا، لہٰذا آج کے دن کسی بھی طرح کا کوئی کام کرنا مناسب نہیں، کیونکہ یہ بہت ہی غم کا دن ہے، اگر کسی کا یہ خیال ہو تو سراسر غلط ہے، کیونکہ ایسی صورت میں روافض سے تشبہ مانا جائے گا جو کہ حرام ہے۔(۲)

شریعت اسلامیہ کی نگاہ میں کسی دن کسی بھی جائز کام کے کرنے پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے، جمعہ کا دن جو نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس دن جمعہ کی اذان کے وقت بیع وشراء کے چھوڑنے کا حکم ہے، اور نماز سے فراغت کے فوراً بعد اپنی مصروفیات میں لگ جانے کا تذکرہ ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ☆ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ (الجمعة: ۹-۱۰)

---

(۱) اصلاح الرسوم: ۱۳۶ (۲) اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: احسن الفتاوی: ۱/۳۹۴

(اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو
اللہ کے ذکر کی طرف چل پڑو اور کاروبار چھوڑ دو، یہی تمہارے لیے
بہتر ہے اگر تم جانتے ہو، پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں
پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو)

مفسرین نے اس آیت میں اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد اپنے تجارتی کاروبار میں لگ جانا لیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اہم دن بھی کسی شخص کو اپنا کاروبار بند کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شہادت کے کسی ایک واقعہ کو بنیاد بنا کر ہر سال غم منانے کے لیے باقاعدہ تعطیل کی جائے، جب کہ شریعت تین دن سے زیادہ کسی کا غم منانے کی اجازت ہی نہیں دیتی، بالفرض اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو پھر ایسا کون سا مہینہ اور دن باقی رہے گا جس میں شہدائے اسلام نے اپنے خون کی قربانیاں راہ خدا میں پیش نہ کی ہوں، حقیقت یہ ہے کہ اس دن تعطیل کا اصل سبب اس کا ہمیشہ سے تاریخی اہمیت کا حامل ہونا اور بعثت نبوی ﷺ کے بعد اس کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جانا ہے، جس کو شروع میں بیان کیا گیا تھا۔

تاہم اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان میں ایک عرصہ تک شیعوں کو سیاسی رسوخ حاصل رہا ہے، اور انہوں نے اس دن کو اپنے مذہبی دن کے طور پر پیش کیا ہے، شاید انہیں کی رعایت میں اس دن کو مسلمانوں کا اسلامی تہوار تصور کر کے سرکاری تعطیل قرار دی گئی ہو، اب جب کہ ایک چیز مسلمانوں کا حق سمجھ حکومت کی جانب سے دی جا رہی ہے، تو اس میں اپنی طرف سے کچھ قیل و قال کرنا موجودہ سیاسی حالات کے تناظر میں درست نہیں، بلکہ اس کو ایک تاریخی اہمیت کا حامل دن ہونے کی حیثیت سے بخوشی قبول کر لینا ہی بہتر ہے۔

صفر المظفر کی بدعات

''صفر المظفر'' اسلامی کلینڈر کا دوسرا مہینہ شمار کیا جاتا ہے، یہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''خالی ہونے کے ہیں''، اس کی وجہ تسمیہ کے متعلق تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے باشندے جن کی گھٹی میں جنگ و جدال شامل تھا، چار محترم مہینوں (رجب المرجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام) میں اپنی جنگوں کا سلسلہ موقوف رکھتے تھے، چونکہ رجب کے علاوہ بقیہ تینوں مہینے ایک ہی ساتھ ہیں، اس لیے تین مہینے تک وہ مستقل جنگ نہیں لڑتے تھے اور صفر کا چاند دکھتے ہی وہ پھر میدان جنگ میں اتر آتے تھے، اس طرح اس مہینہ میں اکثر گھر مردوں سے خالی ہوجاتے تھے، اسی لیے اس مہینہ کو ''صفر'' کہا جانے لگا۔

جاہلی اعتقادات

عہد جاہلیت میں اس مہینہ کے متعلق یہ بات عام ہوگئی تھی کہ یہ مہینہ نہایت نحوست والا ہے، اس میں خوشی کا کوئی کام کرنا مناسب نہیں، اس باطل نظریہ کا سبب یہ ہوا کہ اکثر لوگ اس ماہ میں جنگ وجدال میں مصروف ہوجاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ گھر اور بازار بے رونق ہوجاتے تھے، اور نہ جانے کتنے بچوں کے سر سے باپ کا سایہ اٹھتا تھا، کتنی عورتیں بیوہ ہوتی تھیں، گویا اس پورے مہینہ میں خوشی کے اظہار کا کوئی موقع ہی میسر نہ تھا، اسی لیے ان لوگوں میں یہ تصور عام ہوگیا کہ ''صفر'' کا مہینہ نحوست والا ہے، جب اس کا چاند طلوع ہوتا ہے تو نہ جانے یہ کتنے گھر اجاڑ دیتا ہے، حالانکہ

اس مہینہ میں ایسا ماحول خود انہیں کے اعمال کا نتیجہ تھا، کسی مہینہ یا دن کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا، قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام دن اور رات اللہ کے بنائے ہوئے ہیں، اس میں کوئی دن نحوست والا نہیں، البتہ نحوست والا دن ان لوگوں کے لیے ضرور ہوتا ہے جو دین حنیف سے منھ موڑتے ہیں اور انسانی زندگی میں شریعت الٰہیہ کی تنفیذ ناکافی تصور کرتے ہیں، قوم عاد کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّا أَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيحاً صَرۡصَراً فِيۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ﴾

(القمر: ۱۹)

(یقیناً ہم نے ان پر تیز آندھی والی ہوا بھیجی اس دن جو منحوس ہی منحوس تھا)

معلوم ہوا قوم عاد کی بد خلقی، شریعت بیزاری نے اس دن کو ان کے لیے منحوس بنادیا، جب کہ وہی دن حضرت ھود علیہ السلام اور ان کے متبعین کے لیے اچھا دن تھا۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام جاہلی اعتقادات کی کھل کر نفی فرمائی، یہ بات واضح کردی کہ کسی جانور سے بدشگونی لینا یا کسی مہینہ کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں، ارشاد فرمایا:

”لَا عَدۡوَی وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَةَ“(۱)

(کسی کی مرض کا لگ جانا، صفر کا مہینہ اور الو کا بولنا کچھ نہیں)

زمانہ جاہلیت میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اگر کوئی شدید بیماری میں مبتلا ہے، تو اس کی بیماری دوسروں کو بھی لگ جائے گی، لہٰذا ایسے شخص سے دور رہنا چاہیے، اسی طرح صفر کے مہینہ کو بھی بہت منحوس سمجھا جاتا، اور الو کے بولنے کو بھی بربادی کا سائرن خیال کیا جاتا تھا، اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باطل خیالات کی تردید فرمادی۔

مسلمانوں کا طرز عمل

افسوس کی بات ہے کہ اس مہینہ کے متعلق زمانہ جاہلیت میں رائج ایک غلط اعتقاد

(۱)صحیح البخاری، کتاب الطب، باب لا صفر: ۵۷۱۷

جس کی حقیقت نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں طشت از بام کردی تھی، آج بھی غیروں کے بجائے خود مسلمانوں ہی میں پایا جاتا ہے، مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا یہ خیال ہے کہ اس ماہ میں شادی بیاہ کرنا یا کوئی بھی اہم کام کرنا مناسب نہیں، بلکہ اس ماہ کے تیزی سے گذرنے کا انتظار کرنا چاہیے، اور کچھ خاص اعمال کرلینا چاہئیں جن سے اس مہینہ کی نحوست میں کچھ کمی واقع ہو سکے، اور اس کے مضر اثرات سے حفاظت ہو سکے، ذیل میں انہیں بدعات وخرافات کا تجزیہ پیش ہے، جن کو مسلم سماج میں خاصی اہمیت حاصل ہے اور ان کو دین سمجھ کر بخوشی کیا جاتا ہے:

بدعات

تیرہ تیزی

تیرہ تیزی سے مراد صفر کے ابتدائی تیرہ دن ہیں، جن کو نہایت سخت اور منحوس تصور کیا جاتا ہے، اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ صفر کے ان ابتدائی تیرہ دنوں میں آپ ﷺ سخت بیمار ہوئے تھے، اس ماہ میں آپ ﷺ کا بیمار ہونا اس کے منحوس ہونے کی وجہ سے تھا، لہٰذا ان دنوں میں شادی بیاہ کرنا، عقیقہ کرنا یا کوئی بھی اہم کام کرنا مناسب نہیں، البتہ ان ایام کی نحوست سے بچنے کے لیے کچھ ایسے کام کرنا ضرور مفید ہیں جو ان کی نحوست کم کرسکیں، مثلاً: روزہ رکھنا، خاص قسم کی نماز ادا کرنا، تین سو پینسٹھ آٹے کی گولیاں تالابوں میں پھینکنا، مٹھائی تقسیم کرنا وغیرہ۔

اہل بدعت ان اعمال کو کرنے اور صفر کی نحوست کو ثابت کرنے کے لیے ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”مَنْ بَشَّرَنِیْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ بَشَّرْتُہٗ بِالْجَنَّۃِ“

(جو کوئی مجھے صفر کے مہینہ کے نکل جانے کی خوش خبری دے گا میں
اس کو جنت کی خوش خبری دوں گا)

کتب حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث نہیں ملتی، البتہ موضوعات کے باب میں اکثر محدثین نے اس حدیث کو بیان کیا ہے جو عوام میں رائج ہے، لیکن اس کی کوئی اصل موجود نہیں، ملا علی قاریؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور دیگر محدثین نے بھی اس کو "موضوع" قرار دیا ہے جس کی سند کا کوئی علم نہیں۔(۱)

اس حدیث کے موضوع ہونے کی تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہوگئی کہ صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھنا بے اصل ہے، رہی بات نبی اکرم ﷺ کے بیمار ہونے کی، تو تمام سیرت نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ آپ ﷺ اپنے آخری ایام میں جب بیمار ہوئے تھے، تو وہ صفر کے آخری ایام تھے نہ کہ ابتدائی، سیرت ابن ہشام میں ہے:

"ابتدأ رسول الله صلى الله عليه وسلم بشكواه الذى قبضه الله فيه إلى ما أراد من كرامته ورحمته فى ليال بقين من صفر أو فى أول شهر ربيع الأول"(۲)

یعنی آپ ﷺ کے اس مرض کا آغاز جس میں آپ راہی ملک بقا ہوئے صفر کی آخری راتوں میں تھا یا ربیع الاول کے اوائل میں۔

اس سے یہ پتہ چلا کہ صفر کے ابتدائی تیرہ دنوں کے متعلق ایسے بے اصل جاہلی خیالات کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام علماء نے اس کو غلط قرار دیا ہے، فتاوی رحیمیہ میں مولانا عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ صفر کے ابتدائی تیرہ دنوں کے بارے میں غلط خیالات وعقائد کے متعلق سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مذکورہ خیالات اور عقائد اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں، زمانۂ جاہلیت میں لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، نبی کریم ﷺ نے ان خیالات کی سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے، واقع میں وقت، دن،

---

(۱) ملاحظہ ہو: الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة للعلامة الشوكانى: ۱/۴۳۸ و الأسرار المرفوعة فى الأخبار الموضوعة لملا على القارى: ۱/۳۳۷ و تذكرة الموضوعات للفتني الهندي: ۱/۱۰۰ (۲) السيرة النبوية لابن هشام: ۶/۵۵

مہینہ یا تاریخ منحوس نہیں ہوتے، نحوست بندوں کے اعمال وافعال پر منحصر ہے، جس وقت کو بندوں نے عبادت میں مشغول رکھا، وہ وقت ان کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو گناہ کے کاموں میں صرف کیا وہ ان کے لیے منحوس ہے، حقیقت میں مبارک عبادات ہیں اور منحوس معصیات ہیں، الغرض ماہ صفر منحوس نہیں ہے، مگر منحوس ہمارے برے اعمال اور غیر اسلامی عقائد ہیں، ان تمام کو ترک کرنا، اوران سے توبہ کرنا ضروری ہے، ماہ صفر اور اس کے ابتدائی تیرہ دنوں کو منحوس سمجھ کر شادی، منگنی (خطبہ) وغیرہ کاموں سے رک جانا سخت گناہ کا کام ہے۔"(۱)

صفر کا آخری بدھ

مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس ماہ کے آخری بدھ کے متعلق یہ خیال رکھتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ کو بیماری سے شفا حاصل ہوئی تھی، آپ ﷺ نے غسل صحت فرمایا تھا اور سیر وتفریح کے لیے نکلے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خوشی میں مٹھائی بھی تقسیم کی تھی، لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اس دن باقاعدہ خوشی منائیں، مٹھائیاں تقسیم کریں، عمدہ پکوان بنائیں اور سیر وتفریح کے لیے نکلیں۔

یہ ایک عجیب موہوم نظریہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا تھا کہ صفر کے ابتدائی تیرہ ایام کو اس لیے منحوس سمجھا جاتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ بیمار ہوئے تھے، اب اگر ان کے عقیدہ کے مطابق ان ابتدائی ایام کو بیماری کے ایام تسلیم کریں تو اس کا مطلب ہوگا کہ تیرہویں دن آپ ﷺ صحت یاب ہوئے، لہٰذا خوشی بھی تیرہویں دن ہی منائی جائے، اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ یہ مانا جائے کہ آخری بدھ کو صحت یاب ہوئے تو ابتدائی تیرہ ایام کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

---

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۲/ ۶۷

اس کے علاوہ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ آخری بدھ ہی کو آپ ﷺ صحت یاب ہوئے تھے، تو اس کے لیے یہ بات بھی ضروری ہے کہ اس صحت یابی کا کسی روایت سے ثبوت ملتا ہو، اگر ہم اس سلسلہ میں روایات کا تحقیقی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دن سے آپ ﷺ کی آخری بیماری کا آغاز ہوا تھا نہ کہ اختتام (۱) جیسا کہ سطور بالا میں سیرت ابن ہشام کے حوالہ سے نقل کیا گیا اور دیگر اصحاب سیر وسوانح کا بھی اسی پر اجماع ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دن خوشی کا منانا دشمنانِ رسول ﷺ کو شعوری یا غیر شعوری طور پر خوش کرنے کا ایک ذریعہ تو ہوسکتا ہے، مگر سنت نبوی ﷺ کی اتباع قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اس مہینہ کے آخری بدھ کو محبت رسول ﷺ کے نام پر سیر وتفریح کی سنت ادا کرنے کے لیے جو لوگ بے مقصد بازاروں میں ٹہلتے ہیں، فحاشی عام کرتے ہیں، فرائض چھوڑتے ہیں، اور اسراف وتبذیر کو ثواب سمجھتے ہیں، صحیح روایات سے منھ موڑ کر شریعت میں اپنی من مانی چلاتے ہیں، علمائے دین نے ان تمام افعال کو غیر اسلامی قرار دیا ہے اور کھل کر تردید فرمائی ہے، بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم مولانا امجد علی رضویؒ لکھتے ہیں:

> ''ماہ صفر کا آخر چہار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کردیتے ہیں، سیر وتفریح وشکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں، اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں، اور کہتے یہ ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس روز غسل صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں، اور طرح طرح باتیں بیان کی جاتی ہیں سب بے ثبوت ہیں، بلکہ حدیث کا یہ ارشاد ''لاصفر'' یعنی صفر کوئی نہیں، ایسی تمام خرافات کو رد کرتا ہے'' (۲)

حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام میں برے اعمال کے سوا کوئی چیز منحوس نہیں، بعض

---

(۱) ملاحظہ ہو: الثقات لابن حبان: ۲/ ۱۳۰ (۲) بہار شریعت: ۱۶/ ۲۱۴

روایات میں آتا ہے کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے، اس کے متعلق شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ضرور ہوتی، جن کی بے جا محبت اکثر دین میں کوتاہی کا سبب بنتی ہے۔(۱)

ملاحظہ

صفر کے مہینہ کو منحوس سمجھنے کے علاوہ معاشرہ میں بعض دیگر چیزوں کے متعلق بھی نحوست کا تصور رکھا جاتا ہے، مثلاً: عصر کی نماز کے بعد سے طلوع فجر تک جھاڑو نہ لگانا کہ کہیں گھر کی تمام برکت نہ ختم نہ ہو جائے، کھانا کھا کر متصلاً جھاڑو نہ دینا کہ رزق میں بے برکتی ہوتی ہے، بدھ کے دن ناخن نہ کاٹنا کہ کہیں برص کا مرض نہ ہو جائے، منگل کے دن سفر نہ کرنا کہ کہیں حادثہ نہ ہو جائے، چپل کے اوپر چپل نہ رکھنا کہ نقصان ہوتا ہے، چولہے پر چڑھی ہوئی کڑھائی کے سامنے بچوں کا نہ آنا کہ نحوست آتی ہے وغیرہ وغیرہ، غرض کہ لوگوں کی اپنی خودساختہ شریعت میں جتنے منھ اتنی باتیں سننے میں آتی ہیں، جب کہ شریعت سے ان امور کا کوئی واسطہ نہیں، نہ ہی اسلام میں کسی چیز کو نحوست کا موجب قرار دیا گیا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (التوبة: ۵۱)

(آپ کہہ دیجیے کہ ہم کو وہی (تکلیف) پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، وہی ہمارا مالک ہے اور ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں)

---

(۱) اس کی وضاحت ترمذی شریف کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو: سنن الترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في الشؤم: ۳۰۵۸

ربیع الاول کی بدعات

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

''ربیع الاول'' اسلامی کلینڈر کا تیسرا مہینہ ہے، یہ مہینہ بھی دیگر اسلامی مہینوں کی طرح ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں سرورِ کونین، شاہ بطحاء، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اور اجڑی ہوئی انسانیت کی موسم بہار کا آغاز ہوا، انسانیت کی سوکھی کھیتی لہلہا اٹھی، اور ظلم وجور کی چکی میں پستی ہوئی انسانیت کو زندگی کا حقیقی مفہوم نصیب ہوا، لوگوں کو نفس کی غلامی سے نکل کر خالق کائنات کی بارگاہ میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اسی موسم بہار کے مہینہ میں پیر کے دن ہوئی، البتہ تاریخ ولادت کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے جاتے ہیں، لیکن اکثر محققین کا ماننا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول کی ۹/ تاریخ کو ہوئی، چنانچہ مشہور سیرت نگار علامہ شبلی نعمانیؒ ماہر فلکیات محمود پاشا فلکی کی تحقیق کی روشنی میں رقم طراز ہیں:

> ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۹/ ربیع الاول، روزِ شنبہ مطابق ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی''۔(۱)

اس کے علاوہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ اپنے رسالہ ''نطق الهلال بأرخ ولاد الحبيب والوصال'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کے متعلق مفصل

---

(۱) ملاحظہ ہو: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱/ ۱۲۱

بحث کرتے ہوئے ایک جگہ بیان کرتے ہیں:

''حضور اکرم ﷺ کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرۂ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہِ ولادت کریمہ کا غرۂ وسطیہ بروز اتوار اور غرۂ ہلالیہ بروز پیر ہوا، تو اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے''۔(۱)

سطور بالا سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ولادت کا مہینہ گرچہ متعین ہے، لیکن تاریخ کا حتمی طور پر متعین ہونا صراحۃً ثابت نہیں ہے، بلکہ اہل علم نے مختلف روایات کی روشنی میں جس حد تک تحقیق کی اسی کے مطابق تاریخ ولادت بیان کی ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ تمام روایات کو چھوڑ کر ۱۲/ ربیع الاول ہی کی روایت کو مستند مانتا ہے اور بڑے ہی جوش وخروش سے ''عید میلاد النبی ﷺ'' مناتا ہے، جب کہ ۱۲/ ربیع الاول کو آپ ﷺ کی ولادت سے زیادہ آپ کی وفات کا ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کی ابتداء

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ منانے کی ابتداء چوتھی صدی میں باطنی فرقے کے پیروکار فاطمیوں کے زمانہ سے ہوتی ہے، جس کو باقاعدہ ایک تہوار کی شکل دینے میں چھٹی صدی میں عراق کے شہر موصل کے بادشاہ مظفر الدین کا کلیدی کردار رہا ہے، جو لاکھوں روپئے ایک غیر ضروری کام میں اس مہینہ کے آتے ہی خرچ کرتا تھا، اور لوگوں کی ایک بھیڑ فرائض سے غافل ہوکر بدعات ورسومات میں مگن رہتی تھی۔(۲)

---

(۱) ملاحظہ ہو: رسالہ مشمولہ فتاوی رضویہ: ۴۱۲/۲۶

(۲) ملاحظہ ہو: صبح الاعشی، جلوسه فی مولد النبي فی الثانی عشر من شهر ربيع الأول: ۵۷۶/۳، سبل الهدى والرشاد فی سيرة خير العباد، فی جماع أبواب مولده الشريف صلى الله عليه وسلم، الباب الثالث عشر فی أقوال العلماء فی عمل المولد......: ۳۶۵/۱

اس مہینہ میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کا خوبصورت عنوان دے کر فرائض و واجبات سے دور کرنے والے باطنی فرقہ کے ان لوگوں کے متعلق تمام اصحاب سیر و سوانح کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کے ذہنی و نسبی آنے بانے یہود سے ملے ہوئے تھے، وہ ظاہر میں مسلمان تھے اور باطن میں کفر و نفاق سے لبالب، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:

”وليس أحد من الناس يعلم صحة نسبهم ولا ثبوت إيمانهم وتقواهم“(۱)

(اور ایسا کوئی بھی شخص نہیں ہے جو ان کے نسب اور ان کے ایمان و تقوی کے حال سے واقف ہو)

افسوس کی بات ہے کہ امت مسلمہ کا ایک بڑا طبقہ آج بھی عید میلاد النبی ﷺ منانے کے سلسلہ میں انہیں بدقماشوں کا مقلد نظر آتا ہے، اور اس سلسلہ میں اپنی اصلاح کی ذرا بھی کوشش نہیں کرتا، بلکہ بزرگان دین کی عبارتوں سے غلط استدلال کرنے پر اڑ جاتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال اس سلسلہ میں مزید غلو پیدا ہوتا نظر آتا ہے، اسلامی تعلیمات اور منشائے نبوت کے خلاف ایسے کام انجام پاتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

ذیل میں اس مہینہ میں مروجہ بدعات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے:

بدعات

محفل میلاد النبی ﷺ

ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے بارہ ربیع الاول یا بعض جگہ پورے مہینہ ہی ایسی محافل کا انعقاد ہوتا ہے، جن میں نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ذکر ہوتا ہے، لوگوں

---

(۱)مجموع الفتاوی، الدعاء العصمة لأحد ضلال، الا الأنبياء:۳۵/۱۲۷

کو سیرت النبی ﷺ کے تقاضوں پر عمل کرنے کی دعوت دی جاتی ہے، فی نفسہ یہ بات بالکل درست ہے کہ مسلمانوں کو موقع بموقع نبی پاک ﷺ کی زندگی سے واقف کرایا جائے، ایسی محفلیں منعقد کی جائیں جن کے ذریعہ لوگوں کو اپنے نبی ﷺ سے حقیقی محبت نصیب ہو سکے، لیکن ان مجلسوں میں اس بات کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ ان میں کہیں ایسی کوئی چیز شامل نہ ہو جائے جس کا نبی پاک ﷺ کی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں، نہ ہی خیر القرون میں اس کا کوئی تذکرہ ہے۔

موجودہ دور میں نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے منعقد ہونے والی زیادہ تر محفلیں انہیں خرافات کی شکار نظر آتی ہیں جو مزاج نبوت کے سراسر خلاف ہیں، ان محافل میں سیرت النبی ﷺ کا مقام و پیغام بتلانے کے بجائے غیر معیاری شعر و سخن پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، نبی اکرم ﷺ کے نام سے منعقد ہونے والی محفل میں سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ کر کچھ سننے کے بجائے ایک بڑی تعداد ٹھٹھے بازیوں میں مست رہتی ہے، اور اپنا زیادہ تر وقت پر تکلف مٹھائیوں اور کھانوں کی نذر کر دیتی ہے۔

عام طور پر ان مجالس کی زینت ایسے واعظین ہوتے ہیں جن کی زیادہ تر توجہ صحیح روایات کی روشنی میں سیرت کا اصل پیغام پیش کرنے کے بجائے ضعیف و موضوع روایات پیش کر کے ان بدعات و خرافات کو فروغ دینے پر رہتی ہے، چونکہ عموماً عشاء کے بعد ہی ایسی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، اس لیے دیر رات تک مصروفیت کے باعث ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہوتی ہے جو صبح فجر کی نماز سے محروم رہتی ہے، اور اس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ فرائض میں کوتاہی کے بدلہ ان مجالس میں شرکت نجات کے لیے کافی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج ان مجالس سے وہ نفع نہیں پہنچتا جو مقصود تھا، بلکہ ان کے ذریعہ غیر شرعی باتوں کو فروغ ملتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ کی نسبت سے منعقد ہونے والی ایسی مجالس کو علمائے اہل سنت والجماعت مناسب نہیں سمجھتے جن میں خیر کے پہلوؤں کے مقابل شر کے پہلو زیادہ شامل ہوں، مشہور عالم دین علامہ ابن الحاج رحمۃ

اللہ علیہ اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

”ألا ترى أنهم خالفوا السنة المطهرة وفعلوا المولد لم يقتصروا على فعله بل زادوا عليه ما تقدم ذكره من الأباطيل المتعددة فالسعيد السعيد من شد يده على امتثال الكتاب والسنة والطريق الموصلة الى ذلك وهي اتباع السلف الماضين رضوان اللّٰه عليهم أجمعين لأنهم أعلم بالسنة منا“(۱)

(کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں نے سنت مطہرہ کی خلاف ورزی کی اور میلاد کیا، محض اسی پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اس کے ساتھ مزید خرافات کا اضافہ بھی کردیا، خوش بخت وہ ہے جو کتاب وسنت اور سلف صالحین کی حقیقی اتباع کرے، اس لیے کہ وہ لوگ ہم سے زیادہ سنت کے متعلق علم رکھنے والے تھے)

جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

سطور بالا میں ذکر کیا گیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت حتمی طور پر متعین نہ ہونے کے باوجود ایک بڑی تعداد نے ایسی تاریخ کو متعین کرلیا ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ہونا صراحۃً ثابت ہے، اور اس دن کو اغیار کی دیکھا دیکھی جشن کا ایک دن تصور کرلیا ہے، چنانچہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو سڑکوں پر نہایت تزک واحتشام کے ساتھ نکلنے کا اہتمام کرتی ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن ان تمام چیزوں سے یکسر غافل ہوتی ہے جن کی تمام عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت دیتے رہے، نہ اس کو شریعت اسلامیہ میں فضول خرچی سے روکے جانے کی پرواہ ہوتی ہے، نہ ہی فرائض کا خیال، نہ ہی ایذائے مسلم کی فکر، نہ ہی مردوزن کے اختلاط سے پیدا ہونے والی برائیوں کی طرف

---

(۱) المدخل لابن الحاج: ۲/ ۱۰، دار الفکر بیروت

توجہ، اور نہ ہی اس دن کے بعد سے اپنی زندگی کو نبوی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش، حقیقت یہ ہے کہ اس کی تمام تر کوشش اپنی تفریح طبع ہی پر منحصر رہتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ ان جلوس میں ایسے مسلم نوجوان بھی ہوتے ہیں جو اس دن شراب کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں، فحاشی کو غلط تصور نہیں کرتے، اور بسا اوقات جلوس میں ایسی ایسی چیزوں کی تصویریں بنا کر داد تحسین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن سے انسان کی گمراہی کا کھلا ثبوت فراہم ہوتا ہے، مثلاً: حضرت آمنہ کی یاد میں کسی عورت کا نام آمنہ طے کرنا اور اس کو اونٹ پر بٹھانا، کچھ دیر بعد ایک چھوٹے بچہ کو اس کی گود میں رکھ کر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کی ولادت تصور کرنا، اسی طرح حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ کا نام دے کر کسی کو اونٹ پر بٹھانا اور لوگوں کو متوجہ کرنا، اس کے علاوہ جنت و دوزخ کی شبیہ بنا کر اسے سڑک پر نکالنا اور بھیڑ اکٹھا کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے نکلنے والے ایسے جلوس پر علماء نے سخت نکیر کی ہے، کیونکہ ان بدعات وخرافات کا شریعت اسلامیہ کی پاکیزہ وصاف ستھری تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض حضرات موجودہ دور میں جلوس محمدی ﷺ کو ان تمام ناجائز امور کی شمولیت کے باوجود عین منشائے نبوت سمجھتے ہیں، اور جو لوگ ان چیزوں سے دلچسپی لینا پسند نہیں کرتے ان کو راہ سنت سے ہٹا ہوا تصور کرتے ہیں، اپنے اس عمل کے جواز میں مختلف آیات اور علماء کے اقوال پیش کرتے ہیں، لہٰذا واضح رہے کہ اس سلسلہ میں جو آیات پیش کی جاتی ہیں وہ سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کی جاتی ہیں، اور ان آیات کے وہ مفاہیم بیان کیے جاتے ہیں جو مفسرین اور قرآن کریم سے اعتناء رکھنے والوں نے کہیں بھی بیان نہیں کیے۔ اسی طرح جن علماء و بزرگان دین کی عبارتوں کو بطور استدلال پیش کیا جاتا ہے، ان کے متعلق بھی یہ ذہن میں رہے کہ ان کے نزدیک محض نبی اکرم ﷺ کی نسبت سے منعقد ہونے والی وہ محفلیں درست تھیں جن سے سنت پر

عمل کرنے کا مزاج پیدا ہوتا ہو، نہ کہ ہمارے موجودہ دور کی یہ محافل وجلوس، جن کو کوئی بھی سلیم الفطرت قبول نہیں کرسکتا کہ اس میں سراسر وقت اور مال کا ضیاع ہے، نیز سنت نبوی پر عمل پیرا ہونے کا مزاج بننے کے بجائے راہ سنت سے بُعد کا ذریعہ ہے۔

نوٹ

بعض علاقے ایسے ہوتے ہیں جہاں مسلمانوں کو اپنے رسوخ کا اظہار ضروری ہوتا ہے، یا سیرت نبوی ﷺ کے نقوش دھندلے ہوتے ہیں، اہل بیت اطہار کی سیرت بیانی میں افتراء پردازی سے کام لیا جاتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخیاں ہوتی ہیں۔

ایسے علاقوں میں اسلامی رسوخ کے مظاہرہ اور دین اسلام کی صحیح وکامل تصویر پیش کرنے کے لیے جلوس نکالا جاسکتا ہے، جب کہ اس کے اندر تمام اسلامی اقدار کو ملحوظ رکھا جائے، اس بات کا خاص خیال ہو کہ ہمارا یہ عمل کسی کے لیے باعث اذیت نہ بنے، لیکن اگر اس سلسلہ میں مفاسد کا اندیشہ قوی ہو تو احتیاط بہتر ہے۔

ہری جھنڈیاں

بارہ ربیع الاول کے موقع پر ایک تصور یہ بھی عام ہوگیا ہے کہ ہر گھر کی چھت پر ہری جھنڈی نصب کی جائے، اس جھنڈی میں بعض جگہ کلمہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور بعض جگہ شرکیہ اشعار یا کفریہ الفاظ بھی ہوتے ہیں، اس کا فائدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جو شخص اس کو نصب کرنے کا اہتمام کرے گا، روز محشر اس کو اس جھنڈی کا سایہ نصیب ہوگا۔ جبکہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روز محشر میں صرف سات قسم کے لوگوں کو سایہ نصیب ہوگا اور وہ سایہ بھی عرش کا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس ہری جھنڈی کا شدت کے ساتھ اہتمام کیا جاتا ہے اس کا تذکرہ نہ احادیث میں ملتا ہے، نہ صحابہ کرام کے اقوال وافعال میں ملتا ہے، اور نہ تاریخ

وسیرت کی معتبر کتابوں میں ملتا ہے، تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ہری جھنڈی کا نصب کرنا حب نبوی ﷺ کی ایک علامت ہے اور اس سے ایمان کو تازگی ملتی ہے، بلکہ غور کیا جائے تو یہ اسلام کا گویا مذاق اور اس کی توہین ہے، کیونکہ چند ہی دنوں بعد وہ جھنڈی سڑ گل جاتی ہے، اس میں لپٹا ہوا کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے، پھر ہوا کے جھونکے سے وہ نیچے گر جاتا ہے، اس طرح اس پر لکھا ہوا کلمہ یا نعرہ کبھی سڑک پر اور کبھی کسی گندی نالی تک جا پہنچتا ہے، اور اس کی حد درجہ بے حرمتی ہوتی ہے، ظاہر بات ہے کہ ایسی توہین کو گوارہ کرنا کسی بھی صاحب ایمان کے لیے روا نہیں ہوسکتا۔

بارہ ربیع الاول کی تعطیل

عرصہ سے مسلمانوں کی اکثریت بارہ ربیع الاول کو چھٹی کا دن سمجھتی ہے، اس دن کو ایک اسلامی تہوار کی طرح مناتی ہے اور جوش وخروش کا خوب مظاہرہ کرتی ہے، ایک بڑی تعداد جلوس میں شرکت بھی فرض سمجھتی ہے، چنانچہ مسلمانوں کے اس عمل سے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ دن مسلم مذہب میں بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس دن کو سرکار کی جانب سے ''چھٹی کا دن'' قرار دے دیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس دن ہندوستان کے تمام سرکاری ادارے بند رہتے ہیں، اور بڑی حد تک غیر سرکاری اداروں میں بھی تعطیل رہتی ہے، لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ یہ دن جشن منانے کے لیے ہی فارغ کر لیا جائے، بلکہ مناسب بات یہ ہے کہ اس دن کی مروجہ لغویات سے بچا جائے، اور اس چھٹی کو اتنا ضروری بھی نہ سمجھا جائے کہ اس سلسلہ میں عدم احتیاط کو گستاخی تصور کیا جانے لگے۔

ربیع الثانی کی بدعات

’’ربیع الثانی‘‘ اسلامی کلینڈر کا چوتھا مہینہ ہے، اس مہینہ کی گیارہ تاریخ کو ’’گیارہویں‘‘ کے نام سے ایک رسم ادا کی جاتی ہے، جس کی نسبت محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے، بعض علاقوں میں یہ رسم کسی بھی مہینہ کی گیارہ تاریخ کو ادا کی جاسکتی ہے، اسی طرح وقت اور سہولت کو دیکھتے ہوئے دن اور تاریخ میں بھی تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہے، تاہم یہ طے ہے کہ اس کا نام ’’گیارہویں‘‘ ہی رہے گا۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں یہ رسم ایک بدعت ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو عوام الناس میں ’’بڑے پیر‘‘ یا ’’پیران پیر‘‘ بھی کہتے ہیں، آپ کی ولادت ایران کے شمالی مغربی حصہ کے ایک صوبہ ’’گیلان‘‘ (جس کو ’’جیلان‘‘ بھی کہتے ہیں) میں ۴۷۰ھ کو ہوئی، آپ کا نسبی سلسلہ نواسۂ رسول ﷺ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔(۱) آپ نے حصول علم کے لیے

(۱) یہاں اس بات کا ذکر بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہی کے ایک بھانجہ سید قطب الدین محمد المدنیؒ دعوت وتبلیغ اور جہاد کی نیت سے ہندستان پہنچے، پھر آپ کا خاندان ہندوستان ہی میں مقیم رہا، اس خاندان کی مختلف شاخیں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئیں اور اشاعت اسلام میں مشغول رہیں، اسی مبارک خاندان کی ایک شاخ دائرہ شاہ علم اللہ (رائے بریلی) میں بھی ۱۰۵۰ھ سے آباد ہے، پورے ملک کے طول وعرض میں اشاعت اسلام کی خاطر اس خانوادہ کی خدمات کے چرچے ہیں، تاج العارفین حضرت سید احمد شہیدؒ بھی بزرگوں کی اسی بستی سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور اسلامی حکومت کی داغ بیل ڈالی، اور جام شہادت نوش فرمایا...... باقی اگلے صفحہ پر......

۱۸/ سال کی عمر میں اپنے آبائی وطن کو ترک کر کے بغداد کا سفر کیا، اور ایک قلیل مدت میں علم وتقوی میں نمایاں مقام حاصل کیا، مسند درس وتدریس پر جلوہ افروز ہونے کے بعد لاکھوں لوگ آپ کے علم سے مستفید ہوئے، ایک بہت بڑی تعداد آپ کے ہاتھ پر اسلام لائی اور بے شمار لوگوں کو اپنے گناہوں سے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانیت کا سوز دروں عطا فرمایا تھا، جس کو آج بھی آپ کی تحریروں میں اہل دل محسوس کرتے ہیں، آپ کی زندگی کا نمایاں وصف توحید پرستی، اتباع سنت اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا، خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسی محبوبیت عطا فرمائی تھی کہ آج بھی لوگ آپ کا نام ادب سے لینا پسند کرتے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تاریخ وفات کے متعلق اصحاب سیر وسوانح نے کوئی حتمی بات نہیں لکھی ہے، البتہ یہ طے ہے کہ آپ کی وفات ''ربیع الثانی'' کے مہینہ ۵۶۱ھ میں ہوئی، مگر افسوس کہ بعض دنیا پرست لوگوں نے اپنی جانب سے آپ کی تاریخ وفات طے کر لی، اور طرح طرح کی بدعات کو فروغ دے دیا جن کا آپ کی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں، بلکہ اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ تو ہمیشہ اُن کاموں کے خلاف رہے ہیں جو رب العالمین کی خوشنودی سے محروم کرتے ہیں، آپ خود اپنی ایک کتاب ''الفتح الربانی'' میں لکھتے ہیں:

"المحروم رضا مولاه من لم يعمل بما أمر واشتغل بما لم يؤمر به هذا هو الحرمان بعينه والموت بعينه والطرد بعينه"

......گذشتہ سے پیوستہ......اسی طرح حضرت علامہ حکیم عبدالحی حسنیؒ بھی اسی مردم خیز بستی سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے تاریخ ہند پر عربی زبان میں ''نزہۃ الخواطر'' کے نام سے آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ایک مستند کتاب تیار فرمائی، اس کے علاوہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہیں جنہوں نے پورے عالم میں اور بالاخص ہندوستان میں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا، ان کی وفات کے بعد محبوب ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اس خانوادہ کے روح رواں ہیں اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے سرمایۂ افتخار ہیں، آپ ۲۰۰۲ء سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مستقل صدر ہیں جس پر پوری امت ہندیہ کا اتفاق ہے۔

(وہ شخص اپنے آقا کی خوشنودی سے محروم ہے جو اس چیز پر عمل نہ کرے جس کا اس نے حکم دیا ہے، اور ان کاموں میں مشغول رہے جن کا حکم نہیں دیا گیا، درحقیقت یہی اصل محرومی کی بات ہے، یہی موت ہے اور یہی مردودیت ہے)(۱)

درحقیقت ''گیارہویں'' منانا بھی ایک ایسی ہی بدعت ہے، اکثر لوگ ایک غیر ضروری کام کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ بسا اوقات فرائض و واجبات اس کے ضمن میں آجاتے ہیں یا پھر فوت ہی ہوجاتے ہیں، جس کی دین اسلام میں کوئی اجازت نہیں، ذیل میں انہیں بدعات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے:

بدعات

گیارہویں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے نام پر اس دن اکثر گھروں میں شیرینی پر فاتحہ کا نظم ہوتا ہے، دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے، مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے، بہت سے لوگ آپ سے اپنی منتیں بھی مانگتے ہیں، آپ کے نام سے مختلف جگہوں پر محفلیں سجتی ہیں، لوگ دھوم دھام سے اس کی زیبائش و آرائش میں ایک خطیر رقم بھی صرف کرتے ہیں، البتہ اس عظیم شخصیت کی نسبت سے منعقد ہونے والی محفلوں سے عوام کو کیا پیغام حاصل ہونا چاہیے، اس سے ہرگز کوئی بحث نہیں ہوتی، اسی لیے اس دن نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد فرض نمازیں چھوڑ کر مسجد کے باہر میلوں ٹھیلوں میں جشن مناتی نظر آتی ہے، ان کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ ہمیں حضرت شیخ کو ایصال ثواب کرنے کا اہتمام کرنا ہے یا ان کے حالات زندگی سن کر کوئی سبق حاصل کرنا ہے، یہی وجہ ہے کہ علمائے دین ایسی خرافات سے مملو کسی بھی چیز کی ہرگز اجازت نہیں دیتے جو

---

(۱)الفتح الربانی،صفحہ:۲٦۸

شریعت اسلامیہ کے مزاج کے منافی ہو، اور بسا اوقات کفر سے قریب تر کرنے والی بھی ہو۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ رقم طراز ہیں:

''غوث اعظم علیہ الرحمہ کی روحِ پاک کی نذر اگر خالصاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہو اور سرکار غوث پاک کی روحِ مقدس کو ثواب پہنچانا مقصود ہو تو جائز بلکہ مستحسن ہے، لیکن اگر نذر کرتے وقت خاص پیران پیر علیہ الرحمہ کا نام ذکر کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر چھوڑ دے تو جیسا کہ جاہلوں کی عادت ہے ناجائز ہے بلکہ کفر کا خوف ہے''۔(۱)

نوٹ

بہت سے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں کہ گیارہویں ایک بدعت ہے اور اس سے ہر حال میں دور ہی رہنا چاہیے لیکن بسا اوقات تعلقات اور رشتہ داری کی مجبوری میں ان کے لیے ایسی مجلسوں میں شرکت کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگر تعلقات کے خراب ہونے یا ناچاقیوں کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو اپنی نیت و عقیدہ کے ساتھ فقط شرکت کی اجازت ہے، البتہ بہتر اور تقوی کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی جگہوں پر بھی شرکت سے بچنے کی ممکنہ کوشش کی جائے۔

---

(۱) فتاوی رضویہ: ۲۹/۲۰۵

جمادی الاولی کی بدعات

’’جمادی الاولی‘‘ اسلامی کلینڈر کا پانچواں مہینہ ہے، ہندوستان کے ایک بڑے بزرگ حضرت بدیع الدین بن معین الدین شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۸۲۴ھ) کی وفات اسی ماہ کی ۱۸/ تاریخ میں ہوئی، عوام الناس میں آپ کی شہرت ’’شاہ مدار‘‘ کے نام سے بھی ہے، آپ کا مسکن صوبہ اتر پردیش میں قنوج سے متصل گاؤں مکن پور تھا، جہاں سے آپ نے ایک عرصہ تک دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، اور ایک بڑی تعداد کو آپ کے ذریعہ نفع حاصل ہوا، اس مہینہ میں آپ ہی کے یوم وفات پر بعض لوگوں نے چند بدعات کو دین کا جزو بنالیا ہے، ذیل میں اس ماہ کی بدعات کا مختصراً تذکرہ پیش ہے:

بدعات

مدار کا چاند

حضرت شاہ مدار رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے جمادی الاولی کے مہینہ کو عوام الناس ’’مدار کا چاند‘‘ بھی کہتے ہیں، اس ماہ کی ۱۸/ تاریخ کو دور دراز کے لوگ شاہ مدار صاحبؒ کے مزار کا رخ کرتے ہیں، اور اہتمام کے ساتھ آپ کی قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، اپنی منتیں پوری کرتے ہیں، اور چھڑیوں کا میلہ بھی لگاتے ہیں، جب کہ ان سب چیزوں کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، حاجتوں کا پورا کرنے والا صرف اللہ ہے، مناسب بات یہ ہے کہ ان خرافات سے بچا جائے، اور بزرگان دین کے لیے ایصال

ثواب کا مستقل معمول بنایا جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اندر بھی وہی مؤمنانہ صفات پیدا فرمادے، جن کی وجہ سے ان کو ایک شان امتیازی حاصل تھی۔

افسوس کی بات ہے کہ امت کا بڑا طبقہ اسلام کے بنیادی اصول چھوڑ کر ایسی خرافات میں مست ہوگیا ہے جن سے دنیا و آخرت کا کوئی فائدہ نہیں، سوائے ضیاع وقت اور اسراف مال کے، علماء نے اسی لیے ایسے کاموں کو ناپسند کیا ہے، فقہ و فتاوی کی ایک مستند کتاب "العقود الدرية فی تنقیح الفتاوی الحامدية" میں ہے:

"وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء كرهه الفقهاء"(۱)

(صالحین و اولیاء کی قبروں پر چادروں، پگڑیوں اور عماموں کا رکھنا (چڑھانا) فقہائے کرام کے یہاں مکروہ ہے)

---

(۱) تنقيح الفتاوی الحامدية، كتاب الفرائض، مسائل و فوائد شتى من الحظر والاباحة، فائدة: وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين: ۷/۴۰۳

جمادی الثانی کی بدعات

’’جمادی الثانی‘‘ اسلامی کلینڈر کا چھٹا مہینہ ہے، اس مہینہ میں عام طور پر اکثر علاقوں میں کوئی قابل ذکر بدعت نہیں پائی جاتی، البتہ مختلف علاقوں میں بعض معمولی چیزیں ضرور ہوتی ہیں، جن کا اس مہینہ سے کوئی خاص تعلق نہیں، مثلاً: مختلف بزرگوں کے نام کی فاتحہ کا التزام، کسی کے نام پر شیرینی تقسیم کرنے کا اہتمام وغیرہ۔

خالی کا چاند

حیرت کی بات ہے کہ جن مہینوں میں لوگوں نے بدعات کو گڑھ لیا ہے، ان مہینوں کے نام بھی اسلامی مہینوں کے ناموں سے جدا رکھ لیے ہیں، مثلا: محرم الحرام کو ’’تعزیہ کا چاند‘‘، ربیع الاول کو ’’بارہویں کا چاند‘‘، ربیع الثانی کو ’’گیارہویں کا چاند‘‘، جمادی الاولی کو ’’مدار کا چاند‘‘، رجب المرجب کو ’’کونڈوں کا چاند‘‘، شعبان المعظم کو ’’شب برأت‘‘ کا چاند اور جن مہینوں میں کوئی خاص بدعت نہیں پائی جاتی ان کو ’’خالی کا چاند‘‘ کہتے ہیں۔

خالی کا چاند؛ بجائے خود قابل اصلاح جملہ ہے، کیونکہ کسی صاحب ایمان کے لیے درست نہیں کہ وہ بدعات ورسومات میں دلچسپی لے اور جو مہینہ اس لعنت سے پاک ہو اسے افسوس کے ساتھ خالی مہینہ یا خالی کا چاند کہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر مہینہ کو اس طرح کی بدعات سے پاک وخالی رکھا جائے۔

خلاصہ یہ کہ کسی مہینہ کو خالی سمجھنا کسی صاحب ایمان کی شان نہیں، اور نہ ہی جن مہینوں میں بدعات وخرافات جنم لے چکی ہیں، ان کو عبادت کا مہینہ سمجھنا درست ہے، بلکہ ایمانی تقاضا یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جو چیز جس طرح متعین کردی گئی ہے، اس پر اسی طرح عمل کی کوشش کی جائے، اور جس مہینہ کا جو نام ہے اس کو بجائے ''خالی کا مہینہ'' کہنے کے اسی کے نام سے یاد کیا جائے۔

رجب المرجب کی بدعات

''رجب المرجب'' اسلامی کلینڈر کا ساتواں مہینہ ہے، اس مہینہ کا شمار محترم مہینوں میں ہوتا ہے، نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل مشرکین مکہ بھی اس مہینہ کی عظمت کا خاص خیال رکھتے تھے اور اس میں جنگ وجدال سے دور رہتے تھے، دین اسلام میں بھی اس مہینہ کی حرمت کو باقی رکھا گیا، مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رجب کا مہینہ شروع ہونے پر برکت کی دعا فرماتے، ارشاد ہے:

"اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ رَمَضَانَ"(۱)

(اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان کو بابرکت بنا، اور رمضان کو بھی برکت والا مہینہ بنا)

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رجب کا چاند طلوع ہوتے ہی رمضان المبارک کی تیاری شروع فرما دیتے تھے، اور اپنی ساری توجہ عبادت کی جانب مبذول کر دیتے تھے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج بہت سے جاہل لوگوں نے دیگر مہینوں کی طرح اس مبارک مہینہ کو بھی بدعات وخرافات کا مہینہ بنا لیا ہے، اور وہ ان بدعات وتفریحات کے جواز کے لیے مختلف گڑھی ہوئی روایتوں کا سہارا بھی لیتے ہیں جس سے ان کا مقصود محض خواہشات نفس کی تکمیل ہوتا ہے اور بس۔

غور کیا جائے تو رجب کے مہینہ میں لوگوں نے جن بدعات کو متعدد روایات کا

---

(۱) مسند أحمد: ۲۳۸۷

حوالہ دے کر فروغ دیا ہے، ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔
ذیل میں انہیں بدعات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے:

بدعات

صلاۃ الرغائب

رجب کے مہینہ کی پہلی جمعرات کو بعض علاقوں میں روزہ رکھنے کا معمول ہے، پھر مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان ایک خاص قسم کی نماز کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، اتنا اہتمام شاید فرائض کے لیے بھی نہ ہوتا ہو، اس نماز کو ''صلاۃ الرغائب'' کہا جاتا ہے، اس میں بارہ رکعات ہوتی ہیں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ، سورۂ قدر تین مرتبہ اور سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اور ہر دو رکعت پر سلام بھی پھیرا جاتا ہے، پھر نماز سے فراغت کے بعد ستر مرتبہ درود شریف پڑھی جاتی ہے۔

اہل بدعت اس نماز کے استدلال میں ایک روایت کا حوالہ پیش کرتے ہیں، جو دراصل ایک موضوع (یعنی گڑھی ہوئی) روایت ہے، اور جس کے رواۃ پر محدثین نے کلام کیا ہے، علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''الموضوعات'' میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''هذا حديث موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم وقد اتهموا به ابن جهيم ونسبوه الى الكذب، وسمعت شيخنا عبد الوهاب الحافظ يقول: رجاله مجهول، وقد فتشت عليهم جميع الكتب فما وجدتهم''(۱)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث موضوع ہے، اصحاب جرح و تعدیل کے نزدیک اس میں ایک روای ابن جہیم متہم ہیں، جن کو جھوٹا

---

(۱) الموضوعات لابن الجوزی: ۲/۱۲۵

بتایا گیا ہے، میں نے اپنے شیخ حافظ عبدالوہاب سے فرماتے ہوئے سنا کہ اس سند کے رواۃ مجہول ہیں، اور میں نے ان کے متعلق بحث و تحقیق کی تو میں نے بھی ان کا کوئی تذکرہ نہیں پایا)

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس نماز کے متعلق رقم طراز ہیں:

"وأما صلاة الرغائب فلا أصل لها بل هي محدثة، فلا تستحب لا جماعة ولا فرادى، فقد ثبت فى صحيح مسلم أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن تخص ليلة الجمعة بقيام أو يوم الجمعة بصيام، والأثر الذى ذكر فيها كذب موضوع باتفاق العلماء، ولم يذكره أحد من السلف والأئمة أصلا"(۱)

(اور جہاں تک صلاۃ الرغائب کا تعلق ہے تو اس کی کوئی اصل نہیں، بلکہ یہ ایک بدعت ہے، اس لیے نہ یہ جماعت کے ساتھ مستحب ہے اور نہ ہی انفرادی طور پر، صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی رات کو خاص کر کے عبادت کرنے یا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا، البتہ جس حدیث کا اس سلسلہ میں حوالہ دیا جاتا ہے تو وہ تمام علماء کے اتفاق کے ساتھ موضوع روایت ہے، جس کو سلف اور ائمہ دین میں سے کسی نے بھی ذکر نہیں کیا)

انہیں بنیادوں پر علمائے اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ "صلاۃ الرغائب" نام کی نماز ایک بدعت ہے، اور اس کا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

کونڈے

"کونڈا" آٹا گوندھنے کے برتن کو کہا جاتا ہے، عرف میں اس سے مراد وہ برتن

(۱) مجموع الفتاوی: ۱۳۲/۲۳

ہے جس میں نذرونیاز کے لیے شیرینی تیار کی جائے یا میٹھی پوریاں بنائی جائیں۔

رجب کی ۲۲/ تاریخ کو انہیں برتنوں میں مختلف علاقوں میں میٹھی پوری بنائی جاتی ہیں، ان پر حضرت جعفر صادق کا یوم وفات مانتے ہوئے ان کے نام کی نیاز و فاتحہ ہوتی ہے، پھر گھر کے اندھیرے میں لوگوں کو بلا کر ان کی ضیافت کی جاتی ہے، اور دو تین روز تک انہیں کے تقسیم اور کھانے پینے کا عمل جاری رہتا ہے، درحقیقت یہ عمل اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، نہ ہی حضرت جعفر صادق کی وفات سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

حضرت جعفر صادق کی وفات کے متعلق اصحاب سیر وسوانح کا کہنا ہے کہ آپ کی وفات رجب میں نہیں بلکہ شوال ۱۴۸ھ میں ہوئی، سیر وسوانح کی ایک شہرۂ آفاق کتاب ''وفیات الاعیان'' میں ہے:

”ولد یوم الثلاثاء قبل طلوع الشمس ثامن شهر رمضان سنة ثلاث وثمانين وتوفي فی شوال سنة ثمان وأربعين ومائة بالمدينة“(۱)

(آپ کی پیدائش منگل کے دن طلوع آفتاب سے قبل ۸/ رمضان ۸۳ھ کو ہوئی اور وفات شوال ۱۴۸ھ میں مدینہ کے اندر ہوئی)

کونڈے کی رسم کا تجزیہ کیا جائے اور اس کا تاریخی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس بدعت کا رشتہ شیعہ حضرات سے جڑا ہوا ہے۔

شیعوں کو جن اصحاب نبی ﷺ سے سب سے زیادہ بغض وعناد ہے ان میں ایک نام حضرت امیر معاویہؓ کا بھی ہے، آپؓ کاتب وحی اور جلیل القدر صحابی تھے، اور اسلامی تاریخ میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ آپؓ کے عہد حکومت میں شیعوں کو کسی بھی طرح کی فتنہ سازی اور فرقہ بندی کا موقع نہیں مل سکا، جس کی وجہ سے وہ آپؓ سے سخت نفرت وچڑھ رکھتے تھے۔ چنانچہ ۲۲/ رجب کو جب حضرت امیر معایہ کا انتقال

---

(۱) وفيات الأعيان: ۳۲۷/۱

ہوا(۱) تو ان شیعوں نے خوب جشن منایا اور آپس میں مٹھائیاں تقسیم کیں، چونکہ اس وقت ان کا سیاسی اقتدار کمزور تھا اور انھوں نے اپنے آپ کو روپوش کر رکھا تھا، اس لیے یہ جشن گھر کی کوٹھریوں میں چھپ کر منایا گیا اور پھر ہر سال اس کا اہتمام کیا جانے لگا، لہٰذا آج بھی یہ عمل بعض لوگ بغیر سوچے سمجھے گھر کی تاریکیوں میں کرنا زیادہ افضل سمجھتے ہیں، جب اس رسم کا چرچا سنیوں میں پہنچا تو شیعوں نے اس کی نسبت حضرت جعفر صادقؒ کی وفات سے جوڑ دی، اس نسبت کو اتنی شہرت ملی کہ بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی اس کا شکار ہو گئے اور انھوں نے اسے دین کا ایک جزء سمجھ کر اپنی زندگیوں میں جاری کر لیا جبکہ اس کا اسلام سے دور دور سے بھی تعلق نہیں ہے، اس لیے ہر صاحب ایمان کو اس سے بچنا چاہیے۔

شب معراج اور عبادات کا اہتمام

سیرت رسول اکرم ﷺ میں ''واقعہ معراج'' خاص اہمیت کا حامل ہے، جب آپ ﷺ کو طائف کے بازاروں میں سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑا، اس واقعہ سے آپ ﷺ کی طبیعت پر گہرا اثر پڑا، چنانچہ آپ کے زخموں کو مندمل کرنے اور آپ کو دونوں قبلوں (مسجد اقصی اور مسجد حرام) کا اصل امام بتانے کے لیے معراج کا واقعہ پیش آیا، جس میں صرف آپ ﷺ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ کی سیر ہی نہیں کرائی گئی، بلکہ انبیاء کی امامت کا شرف بھی بخشا گیا، آپ ﷺ کی امت کو نماز کا بیش قیمت تحفہ عطا کیا گیا، اور بالفاظ دیگر معراج کے واقعہ سے یہ اعلان کر دیا گیا کہ آپ ﷺ کی دعوت و شخصیت کسی محدود علاقہ کے لیے نہیں بلکہ وہ عالمگیر اور ابدی ہے۔

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ کی معراج کا واقعہ ۲۷/ رجب ہی کو پیش آیا تھا،

---

(۱) ۲۲/ رجب کو حضرت امیر معاویہ کے انتقال کے متعلق تاریخ طبری میں ہے: "مات معاوية بدمشق سنة ستين يوم الخميس لثمان بقين من رجب" (حضرت معاویہ کی وفات دمشق میں ۶۰ھ کو جمعرات کے دن بائیس رجب کو ہوئی) (تاريخ الطبري: ۳/ ۲٦١)

جس میں آپ ﷺ نے ساتوں آسمانوں کی سیر فرمائی تھی اور امت کے لیے نماز کا تحفہ عطا کیا گیا تھا، چنانچہ کچھ لوگ اس رات میں جاگنے کا اہتمام کرتے ہیں، مساجد کو سجایا جاتا ہے، چراغاں کا عمدہ نظم ہوتا ہے، واعظین کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، اور ان میں بالخصوص واقعہ معراج کو موضوع روایات کی روشنی میں سنایا جاتا ہے، اس کے علاوہ مرد وزن کا اختلاط عام ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی برائیاں موجودہ دور میں کسی سے مخفی نہیں۔

حیرت کی بات ہے کہ شب معراج کی تاریخ کے متعلق سیرت نگاروں کا کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں متعدد اقوال ملتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ایک بڑی تعداد نے اپنی جانب سے ایک تاریخ متعین کر رکھی ہے، پھر اس میں ایسے اعمال بھی وضع کر لیے ہیں جن کا حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ثبوت نہیں، جب کہ شب معراج کا واقعہ پیش آنے کے بعد کئی سال تک آپ ﷺ باحیات رہے۔

شب معراج کے متعلق مالکی مسلک کے عالم امام حُطاب رُعینی مالکی طرابلسیؒ لکھتے ہیں:

”واختلف فی وقت المعراج والصحیح أنه فی ربیع الأول“(۱)

(واقعہ معراج کی تاریخ کے سلسلہ میں اختلاف ہے، اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ بات ربیع الاول کے مہینہ میں پیش آئی)

شب معراج کے متعلق صرف ایک یہی قول نہیں، بلکہ سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں شدید اختلاف ہے، لہٰذا اپنی جانب سے کوئی تاریخ متعین کرنا مناسب نہیں، اور نہ ہی ان امور کو انجام دینا اسلام کا تقاضا ہے جن کو لوگ شب معراج میں عبادت سمجھ کر خلوص دل یا تفریح سمجھ کر کرتے ہیں، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”مراقی الفلاح“ میں ہے:

”ویکره الاجتماع علی احیاء لیلة من هذه اللیالی المتقدم ذکرها فی المساجد وغیرها لأنه لم یفعله النبي صلی الله

(۱) مواهب الجلیل لشرح مختصر الخلیل: ۶/۲

عليه وسلم ولا الصحابة"(١)
(اوراس طرح کی راتوں میں اکٹھا ہونا مکروہ ہے، خواہ وہ اجتماع مسجد میں ہو یا کسی اور جگہ پر، اس لیے کہ یہ نہ ہی نبی اکرم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے اور نہ ہی ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے)

ہزاری اور لکھی روزہ

بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ۲۶/ اور ۲۷/ رجب کو روزہ رکھنے کا غیر معمولی ثواب ہوتا ہے، ۲۶/ رجب کو ہزاری روزہ کا ثواب ایک ہزار روزوں کے برابر اور ۲۷/ رجب کو لکھی روزہ کا ثواب ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے، عوام کے نزدیک اس روزہ کی اہمیت اور اس سلسلہ میں اس کے اہتمام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض علاقوں میں ان تاریخوں میں عام طور پر منڈیوں میں پھلوں کی بسا اوقات کمی بھی واقع ہوجاتی ہے، کیونکہ اکثر روزہ دار پھل وغیرہ ہی سے افطار کرتے ہیں۔

روایات میں اس قسم کے کسی روزہ کا ذکر نہیں، یہ لوگوں کی خودساختہ باتیں ہیں، اور درحقیقت شیطان کا ایک بہکاوا ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ ثواب کی باتیں سن کر حقائق سے واقف ہوئے بغیر دینِ حنیف سے دور ہوتے چلے جائیں۔

ان تاریخوں میں محض نفلی روزہ رکھنا خلاف شریعت فعل نہیں، البتہ انہیں تاریخوں میں انہیں عقائد کے ساتھ روزہ رکھنا یقیناً ثواب کی بات نہیں، اور چونکہ اس دور میں ان تاریخوں میں روزہ رکھنے والا انہیں عقائد کا حامل شمار کیا جاتا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ ایسے موقع پر احتیاط سے کام لیا جائے اور ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جو اہل بدعت کے لیے سند جواز فراہم کرے، بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم مولانا امجد علی رضویؒ اپنی کتاب ''بہار شریعت'' میں لکھتے ہیں:

''ان روزوں کے رکھنے میں مضائقہ نہیں، مگر یہ جو ثواب کے متعلق مشہور ہے اس کا ثبوت نہیں''۔(۲)

---

(١) مراقي الفلاح: ١/ ١٧٤ (۲) بہار شریعت: ۱۶/ ۲۰۵

شعبان المعظم کی بدعات

شعبان المعظم اسلامی کلینڈر کا آٹھواں مہینہ ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ اسلامی مہینوں میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اس ماہ میں بکثرت نفل روزے رکھتے تھے، ارشاد ہے:

"وَمَا رَأَيْتُهُ أَكْثَرَ صِيَاماً مِنْهُ فِيْ شَعْبَانَ"(۱)

(اور میں نے آپ ﷺ کو نہیں دیکھا (رمضان کے علاوہ) کسی اور مہینہ میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے سوائے شعبان کے)

اس کے علاوہ دیگر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ کی پندرہویں شب خاص اہمیت کی حامل ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر خاص نظر کرم فرماتا ہے اور مغفرت وعطا کا سلسلہ عام ہوتا ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"إِنَّ اللّٰه لَيَطَّلِعُ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ"(۲)

(بے شک اللہ تعالیٰ متوجہ ہوتا ہے شعبان کے آدھے مہینہ کی رات (پندرہویں شب) کو اور اپنی تمام مخلوق کی مغفرت فرمادیتا ہے، سوائے مشرک اور کینہ رکھنے والے کے)

---

(۱)صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب صوم شعبان: ۱۹۶۹

(۲)ابن ماجة، کتاب اقامة الصلاة والسنة، باب ما جاء فی لیلة النصف من شعبان: ۱۴۵۳

مذکورہ روایات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اس رات اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ فضل کا معاملہ فرماتے ہیں، لہٰذا ہم مسلمانوں کی ذمہ داری یہ تھی کہ ہم اس ماہ کی مبارک رات سے پوری طرح فائدہ اٹھاتے، اپنے گناہوں پر ندامت وشرمندگی کے آنسو بہاتے، تمام بدعات وخرافات سے توبہ کرتے، اور اسوۂ رسول ﷺ پر اپنی زندگی کو ازسرنو سنوارنے کا عزم کرتے، مگر افسوس کہ اس مہینہ کی اتنی مبارک رات کو بھی بہت سے مسلمانوں نے تفریح وتماشے کا ایک ذریعہ بنالیا ہے اور اس بابرکت رات کو باقاعدہ ایک اسلامی تہوار کی شکل دے دی ہے، آج اس رات کی نسبت سے ایسی بے شمار بدعات فروغ پاگئی ہیں جن کا شریعت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ذیل میں انہیں بدعات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے:

بدعات

شب برأت کی عبادت

شعبان کی پندرہویں رات جس کے متعلق بیان کیا گیا کہ مغفرت والی رات ہے، اردو میں اس رات کو ''شب برأت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ''شب'' کے معنی رات اور ''برأت'' کے معنی ''عذاب سے آزاد ہونے کے ہیں''، اس رات میں لوگوں نے اپنی جانب سے بے بنیاد احادیث کو دلیل بنا کر عبادت کی مختلف شکلیں رائج کر رکھی ہیں، جن کا احادیث میں کوئی ثبوت نہیں، بعض علاقوں میں اس رات کو مغرب کی نماز کے بعد یٰسٓ شریف کا اجتماعی دور ہوتا ہے، پہلی بار یٰس پڑھ کر درازی عمر کی دعا مانگی جاتی ہے، دوسری بار وسعت رزق کی دعا کی جاتی ہے اور تیسری مرتبہ آفات ومشکلات سے حفاظت کی دعا مانگی جاتی ہے، اسی طرح اس رات کو خاص عبادت کرنے کے لیے بہت سے لوگ غسل کرنا بھی سنت سمجھتے ہیں، اور مخصوص طریقہ پر چار یا چھ رکعت پڑھنا مسنون عمل سمجھتے ہیں، نئے کپڑے پہننے کا اہتمام کرتے ہیں، نیز اس رات کی ابتداء

میں غرباء میں کھانا تقسیم کرنا بھی ثواب کا کام سمجھتے ہیں۔

شب برأت میں کیے جانے والے یہ تمام اعمال گرچہ بہت اچھے اور قابل ستائش ہیں لیکن شب براءت میں ان کو ضروری سمجھنا، ان کی خاص شکلیں اختیار کرنا، غلو کی حد تک ان کا اہتمام کرنا اور دیگر ایام کے مقابل اس دن ثواب میں زیادتی کی امید رکھنا خلاف شرع ہے، کیونکہ شب براءت کو ان میں سے کسی بھی خاص عمل کا ثبوت اور کسی خاص اجر کے ثواب کا تذکرہ نہ احادیث وسیرت میں موجود ہے اور نہ اقوالِ صحابہ وتابعین میں، اس لیے یہ اعمال بدعت میں شمار کیے جائیں گے۔

روایات میں صرف اتنا اشارہ ضرور ملتا ہے کہ اس رات خود کو کسی بھی مسنون عبادت میں مشغول رکھنا چاہیے اور اس کے قیمتی لمحات سے فائدہ اٹھانا چاہیے، اس چیز کا ثبوت قرن اول میں بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے کہ اس رات میں مسنون طریقہ پر عبادت کرنا اور صبح کو روزہ رکھنا سنت ہے، ارشاد ہے:

"إِذَا كَانَ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَتَهَا وَصُوْمُوْا يَوْمَهَا"(۱)

(جب شعبان کی پندرہویں شب ہو تو اس کی رات میں قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو)

اس حدیث میں رات کو محض عبادت کرنے کا حکم ہے، عبادت کی ان شکلوں کا کوئی ذکر نہیں جو موجودہ زمانہ میں رائج ہیں، اس لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان اس بابرکت رات میں انفرادی طور پر صلاۃ التسبیح، صلاۃ التوبہ اور تہجد کی نماز کا اہتمام کرے، تلاوت میں مشغول رہے، اپنے رب کے سامنے گریہ وزاری کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے، یہ سب وہ اعمال ہیں جن کا ثبوت صحیح احادیث سے ملتا ہے۔

حلوہ

بعض علاقوں میں اہتمام کے ساتھ شب برأت کو حلوہ بنایا جاتا ہے، اس پر فاتحہ

---

(۱) سنن ابن ماجة، کتاب اقامة الصلاة والسنة، باب ليلة النصف من شعبان: ۱۴۵۱

دلوا کر خود بھی کھایا جاتا ہے اور دوسروں میں بھی تقسیم کیا جاتا ہے، اور اس کی دلیل کے طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ اس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ تناول فرمایا تھا، نیز بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ حلوہ جن اجزاء سے مل کر تیار ہوتا ہے ان میں سے کوئی بھی چیز شریعت میں حرام نہیں ہے تو پھر ان اجزاء سے بنا ہوا یہ حلوہ کیوں کر حرام ہوسکتا ہے؟

یہ دونوں دلیلیں جہالت اور کم علمی پر مبنی ہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک کی شہادت کا واقعہ غزوۂ احد میں پیش آیا تھا، اور یہ غزوہ بالاتفاق شوال ۳/ ہجری میں پیش آیا تھا، اور شعبان کا مہینہ شوال کے نو مہینوں کے بعد آتا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ دندان مبارک کی شہادت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلوہ تناول فرمایا تھا محض جہالت کی بات ہے۔

اسی طرح یہ کہنا بھی غیر معقول ہے کہ جب اس کے اجزائے ترکیبی حلال ہیں تو ان سے بنا ہوا حلوہ بھی حلال ہوگا، کیونکہ اگر اس منطق کو قبول کرلیا جائے تو انگور و مہوہ بھی حلال ہے تو کیا ان سے بنی ہوئی شراب بھی حلال ہوجائے گی؟

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ حلوہ کھانے یا نہ کھانے کا نہیں ہے بلکہ اس عمل کو اختیار کرنے کا ہے، اور چونکہ شریعت میں اس دن ایسا کوئی عمل ثابت نہیں ہے اس لیے حلوہ بنانے اور اس کا اہتمام کرنے کو بدعت اور ناجائز کہا گیا ہے۔

فتاوی کی مشہور کتاب ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں ہے:

”كل مباح يؤدى الى زعم الجهال سنية أمر أو وجوبه فهو مكروه“(۱)

(ہر وہ مباح عمل جو جہلاء کے نزدیک سنت و وجوب کی حیثیت رکھنے کا سبب بنے، مکروہ ہے)

---

(۱)تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل و فوائد شتى من الحظر والاباحة وغير ذلك: ۴۳۰/۷

گھروں اور مسجدوں کی سجاوٹ

شب برأت کو اکثر گھروں اور مساجد میں روشنی کا بھی خاص اہتمام ہوتا ہے، چند سال پہلے دیوالی میں جلائے جانے والے دِیوں کی طرح ہر گھر اور مسجد میں بڑی تعداد میں وہی دیئے جلائے جاتے تھے، البتہ موجودہ دور میں دیوں سے زیادہ بیش قیمت قمقمے اور تیز روشنی والی مختلف لائٹیں لگانے کا اہتمام ہوتا ہے، مساجد میں اس کی خاطر چندہ بھی کیا جاتا ہے، اور اکثر گھروں میں بہت سے ضروری کام چھوڑ کر اس غیر شرعی عمل کو ترجیح دی جاتی ہے، اس کے علاوہ ٹھیک دیوالی کی طرح اس رات کو بہت سے نوجوان پٹاخے پھوڑنا، آتش بازی کی مختلف قسمیں اختیار کرنا بھی کار ثواب سمجھتے ہیں۔

شب برأت کے موقع پر ایسا کرنا سراسر فضول خرچی اور خلاف شرع بات ہے، اس میں برادران وطن کے ساتھ ساتھ مجوسی لوگوں سے بھی ایک قسم کا تشبہ پایا جاتا ہے، جن کے یہاں آگ ہی کی عبادت کی جاتی ہے، اس کے علاوہ آتش بازی وغیرہ کرنے سے فضا میں جو آلودگی پیدا ہوتی ہے، اس سے مرتب ہونے والے نقصانات سے بھی ہر کوئی واقف ہے، شیخ احمد رومیؒ کی شاہکار تصنیف ''مجالس الابرار'' میں ہے:

> ''شب برأت کو کوچوں اور بازاروں میں بکثرت چراغ روشن کرنا بدعت ہے، اور ایسا ہی مسجدوں میں ہانڈیاں جلانا بھی بدعت ہے''۔(۱)

قبرستان جانا

موجودہ دور میں اس مبارک رات کو لازمی طور پر قبرستان جانے کی یہ بدعت بھی خوب عام ہوگئی ہے، اس رات کو بعض علاقوں کے قبرستان دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان کم اور تفریح گاہیں زیادہ ہیں، وہاں نہ ایصال ثواب کی فکر ہوتی ہے، نہ ہی ایک روز خود اسی قبرستان میں ہمیشہ کی نیند سونے کا احساس ہوتا ہے، کچھ لوگ قبروں پر اگربتیاں لگا کر یہ سمجھتے ہیں کہ سنت ادا ہوگئی اور کچھ لوگ وہاں حاضر ہو کر غیر شرعی باتوں

(۱) مجالس الابرار: مجلس ۲۴/۲۱۱

کا ارتکاب کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں سب کچھ روا ہے۔

شب برأت کو قبرستان جانے کے سلسلہ میں سنن ابن ماجہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پندرہویں شعبان کو آپ ﷺ قبرستان تشریف لے گئے تھے(۱) البتہ اس سے یہ استدلال کرنا کہ ہر شعبان کی پندرہ تاریخ کو جانا مسنون ہے، اور وہ تمام غیر شرعی کام بھی جائز ہیں جو آج کل رائج ہو گئے ہیں بالکل غلط بات ہے، اس لیے کہ شریعت میں کسی خاص دن قبرستان جا کر ایسے اعمال کرنے کا حکم ثابت ہی نہیں، جن کو موجودہ دور میں سنت سمجھ لیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص محض اتباع سنت کے جذبہ سے اس رات کو قبرستان چلا جائے تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے، اور وہاں جانے کے تمام آداب کو ملحوظ رکھا جائے، کسی قسم کی بے ادبی کا احتمال نہ ہو اور نام و نمود مقصد نہ ہو۔

صلاۃ فاطمۃ الزہراء

بعض علاقوں میں ''صلاۃ فاطمۃ الزہراء'' کے نام سے اس رات کو ایک خاص نماز پڑھنے کا معمول بھی رائج ہے، اس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائیں گی، اس میں چار قعدے ہوں گے، اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھی جائے گی، بعض علاقوں میں اس نماز کی رکعات کی تعداد آٹھ کے بجائے سو تک بھی بتائی جاتی ہے، اس میں ترتیب یہ ہوتی ہے کہ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جاتی ہے، اس طرح سو رکعت میں یہ سورہ ایک ہزار مرتبہ ہو جاتی ہے، اسی لیے بہت سے لوگ اس نماز کو ''ہزاری نماز'' بھی کہتے ہیں۔

ایسی نمازوں کے متعلق معلوم ہونا چاہیے کہ شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، نہ ہی حضور ﷺ و صحابہؓ سے یہ عمل ثابت ہے، جلیل القدر عالم دین امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ اس نماز کو بدعت بتاتے ہوئے اور اس کے نتیجہ میں دوسری فرض چیزوں کے متاثر

---

(۱) ملاحظہ ہو: ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ و السنۃ، باب لیلۃ النصف من... :۱۴۵۲

ہونے کے متعلق اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''الاعتصام'' میں رقم طراز ہیں:

"فنحن نعلم أن ساهر ليلة النصف من شعبان لتلك الصلاة المحدثة لا يأتيه الصبح الا وهو نائم أو فى غاية الكسل فيخل بصلاة الصبح"(۱)

(ہم جانتے ہیں کہ شعبان کی پندرہویں تاریخ کو ایسی خود ساختہ نماز کی ادائیگی کی خاطر رات میں جاگنے والا شخص صبح نہیں کرتا ہے مگر اس حال میں کہ وہ سو رہا ہوتا ہے یا پھر انتہائی سستی اس پر سوار ہوتی ہے، جس کی بنا پر صبح کی نماز خطرہ میں پڑ جاتی ہے)

عرفہ

بعض علاقوں میں ۱۳/ شعبان کو ''عرفہ'' کے نام سے بھی ایک بدعت پائی جاتی ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس دن نئے مردے پرانے مردوں سے ملتے ہیں، چنانچہ اس دن ان کے نام کی فاتحہ ہوتی ہے، اور لوگ تعزیت کے لیے میت والوں کے گھر بھی اہتمام سے آتے ہیں، جب کہ اسلامی اصطلاح میں ایک ہی یوم عرفہ کا ثبوت ہے جو ذی الحجہ کی ۹/ تاریخ کو ہوتا ہے، جس دن حجاج کرام میدان عرفات میں حاضر ہوتے ہیں، شعبان کے اس عرفہ کے متعلق فتاوی کی ایک مستند کتاب ''فتاوی محمودیہ'' میں ہے:

''انتقال کے بعد شب براءت سے ایک روز قبل عرفہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیسے عرفہ ہے''۔(۲)

(۱) الاعتصام للشاطبی: ۳۰۷ (۲) فتاوی محمودیہ: ۳/ ۲۵۸

رمضان المبارک کی بدعات

’’رمضان المبارک‘‘ اسلامی کلینڈر کا نواں مہینہ ہے، یہ مہینہ تمام مہینوں میں نہایت ہی عظمت والا ہے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اس مہینہ میں مسلمانوں پر سال میں ایک مرتبہ روزے فرض کیئے گئے، اس کا پہلا عشرہ ’’رحمت‘‘ دوسرا ’’مغفرت‘‘ اور تیسرا عشرہ ’’جہنم سے خلاصی‘‘ کا ہوتا ہے، اس مہینہ کا چاند طلوع ہوتے ہی مسلمانوں کی نقل وحرکت گیارہ مہینوں کے مقابل بالکل تبدیل ہوجاتی ہے، عبادات کا خوب اہتمام ہوتا ہے، فرائض کی پابندی ہوتی ہے، تلاوت قرآن مجید کی کثرت ہوتی ہے، اور راہِ خدا میں سال بھر کا کمایا ہوا خرچ کرنا عام معمول سے زیادہ ہوجاتا ہے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینہ میں ہر عمل کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے، سرکش شیاطین کو بند کردیا جاتا ہے اور مغفرت ورحمت کا سلسلہ عام ہوجاتا ہے، اس ماہ میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہوتی ہے، اگر کوئی شخص ایمان واحتساب کے ساتھ اس مہینہ میں اور بالخصوص اس مبارک رات میں عبادت کرے تو اس کے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَاناً وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ“(۱)

(جو شخص شب قدر میں ایمان واحتساب کے ساتھ کھڑا ہو (عبادت

(۱)البخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایمانا واحتسابا ونیۃ: ۱۹۰۱

کرے) اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور جو شخص رمضان میں ایمان واحتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ شب قدر کی عبادت اور رمضان کے روزوں سے مغفرت کا پروانہ حاصل ہوتا ہے، لیکن حدیث بالا میں ان دونوں چیزوں کے ذریعہ مغفرت کا ملنا جس شرط کے ساتھ ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایمان واحتساب کی کیفیت جس قدر فوت ہوتی ہے، اسی قدر انسان تمام اعمال کو محض اعمال کی حیثیت سے کرتا ہے، اس میں ایمان ویقین کا نور موجود نہیں ہوتا، جس کے نتیجہ میں دوسری وہ چیزیں بھی ان عبادات کے ساتھ گھر کر جاتی ہیں جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، اصطلاح میں انہیں امور کو بدعت کہا جاتا ہے، رمضان المبارک کے اندر بھی ایمان واحتساب کی اسی کمی کی وجہ سے جن بدعات نے جنم لیا ہے ذیل میں مختصراً انہیں کا تجزیہ پیش ہے:

بدعات

شبینہ

''قرآن مجید'' اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے، اس کی حفاظت کا وعدہ رب العالمین نے خود اپنے ذمہ لیا ہے، باطل اس کے قریب بھی پھٹکنے کی سکت نہیں رکھتا، یہی وہ کتاب ہے جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت نامہ ہے، اسی میں پوری انسانیت کی فلاح مضمر ہے، اس کتاب کو رمضان المبارک سے خاص نسبت حاصل ہے، اس لیے کہ اس کا نزول اسی مہینہ میں ہوا، ارشاد الٰہی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیَ أُنزِلَ فِیهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة: ١٨٥)

(رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لیے
ہدایت ہے اور اس میں راہ یابی اور (حق و باطل میں) امتیاز کی کھلی
نشانیاں ہیں)

سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اس ماہ میں قرآن مجید سے مزید شغف ہو جاتا تھا، روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نماز تراویح میں مکمل قرآن کی دور فرماتے تھے۔

نماز تراویح میں مکمل قرآن سننے کی یہ سنت آج بھی زندہ ہے، البتہ بعض جگہوں پر سہولت کی خاطر اس کی مختلف شکلیں اختیار کر لی گئی ہیں، جن میں بسا اوقات قرآنی آداب کو بجالانا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ چیزیں غلط ہو جاتی ہیں، انہیں مروجہ شکلوں میں سے ایک شکل صرف ایک رات میں مکمل قرآن سننے کی بھی ہے، جس کو ''شبینہ'' کہا جاتا ہے، لہٰذا بعض مساجد میں تراویح کے اندر ایک ہی رات میں مکمل قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، دور دور سے لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں، اور جس مسجد میں اس کا اہتمام ہوتا ہے اس کا بھی پورے علاقہ میں چرچا ہو جاتا ہے۔

موجودہ دور میں شبینہ کا جو رواج عام ہے، اس میں قرآن مجید کے آداب کی ذرا بھی رعایت نہیں ہوتی، تلاوت آیات میں حروف کی مکمل ادائیگی بھی مشکل ہوتی ہے، بعض اوقات بہت سی آیات بھی حذف ہوتی چلی جاتی ہیں اور سامعین کو ہوش بھی نہیں ہوتا، مقتدی حضرات میں سے ایک بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے جو تساہلی اور غفلت کے ساتھ طوالت کی وجہ سے صرف قرآن سننے کی رسم نبھاتی ہے، اس لیے مناسب بات یہی ہے کہ ایسے غیر ضروری اہتمام سے پرہیز کیا جائے، یہ پورا مہینہ عبادت ہی کے لیے ہے، اس لیے بہتر بات ہے کہ تھوڑا تھوڑا حصہ متعین کر کے روزانہ سنا جائے، مگر افسوس کہ اس عبادت والے مہینہ میں شبینہ کے اس عمل کا مقصد بعض لوگوں کا روزانہ تراویح میں طویل قیام سے بچنا بھی ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہت سے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کا ایک رکعت یا ایک رات میں مکمل قرآن پڑھنے سے استدلال کرتے ہیں، لہٰذا واضح رہے کہ ایک رات یا ایک رکعت میں قرآن پڑھنا اس وقت درست ہوگا، جب قواعد کی رعایت اور مکمل طمانینت کے ساتھ پڑھا جائے، جیسا کہ حضرات صحابہؓ کے یہاں ہوتا تھا، ان کے نزدیک یہ بات قطعاً درست نہ تھی کہ قرآن مجید کو جلدی جلدی اور بغیر سمجھ کر پڑھا جائے، چونکہ اس دور میں ان تمام قرآنی آداب کی رعایت عنقا ہے، اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جن کی راتوں میں عبادت کے واسطہ کھڑے ہونے کی عادت ہو، اس لیے یہ چیز آداب قرآن کے خلاف ہے، شبینہ کے متعلق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ''فتاوی رشیدیہ'' میں رقم طراز ہیں:

> ''قرآن شریف کا ایک رات میں ختم کرنا بصورت تصحیح الفاظ وغیرہ جائز ہے، اور حضرت عثمانؓ سے ایک رات میں ختم کرنا ثابت ہے، اور اگر قرآن ترتیل کے ساتھ نہیں پڑھا، مگر الفاظ صحیح پڑھے گئے تو اس طرح پڑھنے میں ثواب کم ہوگا، اور باترتیل میں ثواب زائد اور ریاء تو فرائض میں بھی ممنوع ہے تراویح پر کیا موقوف ہے، اور مقتدیوں کو اگر اس طرح پڑھنا دشوار ہوتا ہے تو نہ پڑھیں''۔(۱)

چند دنوں میں ختم قرآن

بعض علاقوں میں مختلف ضروریات اور سہولیات کے پیش نظر چند دنوں میں ہی مکمل قرآن مجید سننے کا بھی عام رواج ہے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ نماز تراویح میں ایک مرتبہ مکمل قرآن مجید سننے کے بعد تراویح کی سنت ادا ہوگئی، لہٰذا پورے رمضان تراویح کی پابندی ضروری نہیں۔

رمضان المبارک میں تراویح پڑھنا مستقل سنت ہے، اور اس میں مکمل قرآن مجید

---

(۱) فتاوی رشیدیہ: ۳۹۴

سننا الگ سنت ہے، اس لیے رمضان کے پورے مہینہ میں قرآن مجید اس طریقہ پر سننا زیادہ مناسب ہے کہ پورے ماہ میں بآسانی قرآن مجید مکمل ہو سکے، لیکن اگر کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا دوسری کوئی ایسی اہم ضرورت ہو جس میں مکمل قرآن مجید سننے کی سنت چھوٹنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں چند دنوں میں مکمل قرآن سن سکتا ہے، اس کے بعد بقیہ دنوں میں جہاں موقع میسر ہو نماز تراویح ادا کرتا رہے، اس طرح مکمل قرآن سننے کی سنت بھی ادا ہو جائے گی اور نماز تراویح کی پابندی سے تراویح پڑھنے کی سنت پر عمل بھی قائم رہے گا، لیکن اگر کوئی شخص محض نماز تراویح میں ایک مرتبہ قرآن مجید سن کر تراویح کے سلسلہ میں غفلت سے کام لے تو یہ بات ہرگز درست نہیں۔

ختم قرآن کی تقریب

جس دن تراویح کی نماز میں قرآن مجید مکمل ہوتا ہے، اس دن بعض علاقوں میں لوگوں نے مختلف چیزوں کو رواج دے رکھا ہے، اس دن باقاعدہ مساجد میں اہتمام کے ساتھ شیرینی کی تقسیم کے لیے چندہ کیا جاتا ہے، جو لوگ چندہ میں شریک نہیں ہوتے ان کو ترش نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، اس کے علاوہ مساجد کو اہتمام کے ساتھ سجایا جاتا ہے، حتی کہ اس سلسلہ میں فرائض کو نظر انداز کر جانا بھی کوئی معیوب بات نہیں ہوتی، لیکن یہ ہر حال میں ضروری ہوتا ہے کہ تراویح کے بعد مسجد کے امام صاحب سے سرمہ اور پانی پر پھونک چھڑوالی جائے، بعض لوگ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ دنوں کے اعتبار سے جن مسجدوں میں ختم قرآن ہوتا ہے، ان تمام مساجد میں اہتمام سے گشت کرتے نظر آتے ہیں۔

ان سب خرافات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مساجد کا ادب ملحوظ نہیں رہتا، کثرت سے شور شرابا ہوتا ہے، فضول خرچی بھی خوب ہوتی ہے، اور مسجد ہی میں شیرینی کی تقسیم، سرمہ اور پانی وغیرہ پر پھونک چھڑوانے کا عمل جاری رہنے کی وجہ سے عام طور پر گندگی بھی ہو جاتی ہے، جب کہ یہ تمام چیزیں خانۂ خدا میں کسی بھی صورت درست نہیں،

کیونکہ مساجد اللہ کا گھر ہیں اور ان کا احترام لازم ہے، افسوس کی بات ہے کہ ایک مبارک مہینہ میں لوگ ان بنیادی باتوں کا خیال نہیں رکھ پاتے، اور مسجد کے بہت سے آداب کو پامال کر جاتے ہیں، جب کہ یہ چیزیں آداب مسجد کے بالکل خلاف ہوتی ہیں، خلیفۂ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ مَسْجِدَنَا هَذَا لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَصْوَاتُ" (۱)

(ہماری ان مساجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں)

تاہم اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ختم قرآن کے موقع پر اظہار خوشی کے بطور بغیر تداعی اور اصرار کے مٹھائی کی تقسیم اور پانی وغیرہ پر پھکوانا درست ہے، بشرطیکہ اس کو ضروری نہ سمجھا جائے، اور جو لوگ اس کو بہت زیادہ اہمیت دینے کے قائل نہ ہوں ان کو غلط نہ سمجھا جائے اور باقاعدہ اس کے لیے انتظامات میں مصروف ہونے کو ضروری نہ سمجھا جائے۔

اجتماعی شب بیداری

اکثر علاقوں میں رمضان المبارک کی طاق راتوں کو اجتماعی شب بیداری کا معمول ہے، اس کے لیے بہت سے لوگ اپنے محلّہ کی مساجد میں عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، اور وہاں درس قرآن و درس حدیث کی محفلیں ہوتی ہیں، دعاؤں کا سلسلہ رہتا ہے، کچھ لوگ تلاوت میں اور کچھ نوافل میں مشغول ہوکر ان راتوں کو گذارتے ہیں، اس کے علاوہ بہت سے لوگ ایسی مساجد اور خانقاہوں میں بھی جاتے ہیں، جہاں وہ بزرگان دین کی نیک صحبت سے بھرپور فائدہ اٹھاسکیں اور رمضان کی مبارک ساعتوں کو زیادہ سے زیادہ سنت طریقہ کے مطابق گذار سکیں۔

بلاشبہ اجتماعی شب بیداری کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تمام امور لائق ستائش ہیں، البتہ اس سلسلہ میں اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو لوگ اجتماعی شب بیداری

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، في رفع الصوت في المساجد: ۷۹۸۷

کے نظام سے ہٹ کر اپنے گھروں میں عبادت کا اہتمام کرتے ہیں ان کو برا نہ سمجھا جائے، اور اپنے اس اجتماعی شب بیداری کے نظام میں اس چیز پر خاص توجہ دی جائے کہ کہیں اجتماعی شب بیداری میں عبادت کے بجائے زیادہ تر وقت آپسی گفتگو اور غیر سنجیدہ چیزوں میں تو نہیں گذر رہا ہے، کیونکہ عام طور پر اجتماعی چیزوں میں ان باتوں کا احتمال زیادہ رہتا ہے، اس لیے اس سلسلہ میں بڑی حساسیت کی ضرورت ہے۔

جمعۃ الوداع

اکثر علاقوں میں رمضان کے آخری جمعہ کی خاص اہمیت ہے، اس دن لوگ عید کے دن کی طرح نئے کپڑے پہنتے ہیں، جو لوگ عام جمعوں میں بھی مسجد نہ جاتے ہوں اور روزے نہ رکھتے ہوں، وہ بھی مسجد جانے کا اہتمام کرتے ہیں، اس کے علاوہ بعض مساجد میں جمعۃ الوداع کے عنوان ہی سے خطبہ پڑھنے کا معمول بھی عام ہے، بعض جگہوں پر ان خطبوں کے دوران رونے رلانے کا ماحول بھی بن جاتا ہے، اور رمضان کے ختم ہونے پر اظہار غم کی ایک رسم پوری کی جاتی ہے۔

رمضان کے ختم ہونے پر دلی رنج وقلق ہونا تو ایک صاحب ایمان کے لیے فطری تقاضا ہے، کیونکہ اس میں عبادت کا جو ماحول ہوتا ہے، وہ عام دنوں میں نہیں ہوتا، لیکن اس دلی رنج وقلق کو رسم کی شکل دے دینا، اور اس مہینہ سے جو سبق حاصل کرنا چاہیے، اس سے بالکل غافل رہ کر محض نئے کپڑے پہن لینا، مساجد میں جا کر شیعوں کی طرح رونے رلانے کا ماحول قائم کر لینا مناسب بات نہیں ہے، نہ ہی اس کا کسی روایت سے ثبوت ملتا ہے۔

روزہ کشائی

نو عمر بچہ اپنی زندگی کا جب پہلا روزہ رکھے تو اس کے پہلے افطار کے اعزاز میں تقریب کے انعقاد کو ''روزہ کشائی'' کہا جاتا ہے، بلاشبہ کسی بچہ کی زندگی کا پہلا روزہ

اس کے والدین اوراعزاء واقرباء کے لیے سرمایۂ افتخار ہے، اور یہ طبعی بات ہے کہ اس کے اعزاز میں کوئی ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے خوشی کا اظہار ہوتا ہو، اس کی خاطر بعض لوگ افطار کے پہلے دن کچھ اہتمام سے کام لیتے ہیں، جو ایک حد تک درست ہے، لیکن اگر اس سلسلہ میں غلو سے کام لیا جائے تو یہ بے ضرورت بات ہوگی، جیسا کہ موجودہ دور میں رائج ہے کہ جو بچہ اپنی زندگی میں رمضان المبارک کا پہلا روزہ رکھتا ہے، اس کے اعزاز میں باقاعدہ ایک افطار پارٹی دی جاتی ہے، رمضان کی مبارک ساعتوں میں ذکر واذکار کے بجائے اکثر حصہ گھر کی سجاوٹ، مہمانوں کی ضیافت میں صرف ہوتا ہے، روزہ دار بچہ کے گلے میں ہار ڈالے جاتے ہیں، اور مسجد میں اس کے نام کی افطار میں دیگ تیار کرائی جاتی ہے۔

روزہ کشائی کا یہ عمل فضول خرچی اور ضیاع وقت سے زیادہ کچھ نہیں، نہ ہی دین اسلام میں اس کے متعلق کوئی تعلیم دی گئی ہے، فتاوی کی ایک متداول کتاب ''احسن الفتاوی'' میں ہے:

> ''اس رسم کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں، اس کو ثواب سمجھ کر کرنا دین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنے کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے، بلکہ ثواب نہ بھی سمجھے تو بھی اس کا ترک لازم ہے، کیونکہ یہ ایسی رسم بن چکی ہے جس کی قباحت اہل عقل پر ظاہر ہے''۔(۱)

☆☆☆

سولہ سیدوں کا روزہ

چاند کے ہر مہینہ کی سولہ تاریخ کو بعض جہلاء میں سولہ سیدوں کے نام پر روزہ رکھنے کی بدعت بھی رائج ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ سولہ سیدوں کے نام کا روزہ رکھنے پر

(۱) احسن الفتاوی:۱/۱/۳۷۱

جو منت مانگو وہ پوری ہوتی ہے، لیکن اگر ان کی کہانی کسی کو نہ سناؤ تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور پھر بنا بنایا کام بھی بگڑ جاتا ہے۔

ان روزوں کا ایک المیہ یہ ہے کہ آج تک ان کے متعلق یہ بات حتمی طور پر متعین نہ ہو سکی کہ ان سولہ سیدوں سے مراد کون ہیں اور ان کی کہانی کیا ہے، بعض کا کہنا ہے کہ ان سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرات حسنینؓ اور گیارہ امام ہیں، اور انہیں کی زندگیوں کے حالات سنانا مطلوب ہے، جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی بے اولاد بادشاہ تھا، وہ اولاد کی طلب میں محل چھوڑ کر مزاروں کی خاک چھانا کرتا تھا، ایک مرتبہ کسی راہ میں اس کی ملاقات ایک درویش سے ہوئی جس کا نام "سولہ سید" تھا، اس نے اپنے نام پر نیاز کروانے اور اپنی زندگی کی کہانی دوسروں کو سنانے اور اپنے نام کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، جس کی تعمیل کے بعد بادشاہ صاحبِ اولاد ہو گیا پھر جس لاولد نے بھی اس کہانی کو سنا وہ بھی صاحب اولاد ہوتا گیا، اس طرح جہلاء میں یہ سلسلہ چل پڑا اور بڑھتا ہوا ہر ضرورت کی تکمیل کے ساتھ خاص ہو گیا۔

اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مرادیں پوری کرنے والا سمجھنا یقیناً کھلا شرک ہے، بہت سے موقعوں پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے، اور اللہ کی طرف سے یہ آزمائش کبھی بندہ کی جان و مال میں ہوتی ہے اور کبھی آل و اولاد میں ہوتی ہے، بندہ ان آزمائشوں کو اپنے لیے مصیبت سمجھتا ہے، اور دینی تعلیمات سے عدم واقفیت یا ایمان کی کمزوری کے نتیجہ میں شیطان کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو جاتا ہے، ایسے موقعوں پر شیطان کی بنیادی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ بندہ کو شرک میں مبتلا کر دے، کیونکہ اس کی سب سے بڑی کامیابی اسی میں ہے کہ بندہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو، اس کے واسطہ شیطان بندہ کو ہر ممکن طریقہ سے ورغلاتا ہے۔

یقیناً وہی شخص کامیاب ہے جو ان خلاف سنت طریقوں پر یقین نہ کرے اور ان کے خیال کو بھی گناہ تصور کرے، کسی سے منت مانگنا یا کسی کے لیے نذر کرنا کھلا ہوا شرک

ہے جس سے توبہ ضروری ہے، فقہ حنفی کی مشہور ومتداول کتاب ''البحر الرائق'' میں ہے:

"النذر للمخلوق لا يجوز لأنه عبادة والعبادة لا تكون للمخلوق، ومنها أن المنذور له ميت والميت لا يملك، ومنها ان ظن أن الميت يتصرف فى الأمور دون الله تعالىٰ واعتقاده ذلك كفر"(١)

(مخلوق کے لیے نذر ماننا جائز نہیں، اس لیے کہ نذر ایک عبادت ہے، اور کسی مخلوق کی عبادت جائز نہیں، عبادت کی اقسام میں سے یہ ہے کہ جس کے نام نذر کی جائے وہ مردہ ہو، اور مردہ کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا، یہ بھی عبادت ہی کی ایک قسم ہے کہ میت کو خدائی امور میں متصرف سمجھا جائے، ایسا اعتقاد رکھنا کفر ہے)

(١)البحر الرائق، باب الاعتكاف: ٣٢١/٢

شوال المکرّم کی بدعات

''شوال المکرّم'' اسلامی کلینڈر کا دسواں مہینہ ہے، یہ مہینہ بھی عبادات کے لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے، یہی وہ مہینہ جس کی پہلی تاریخ کو رمضان کے روزے رکھنے کے بعد اہل ایمان کو اظہار خوشی کے بطور ''عید کا دن'' عطا کیا گیا ہے، اور اس دن روزہ رکھنا حرام بتایا گیا، اس کے علاوہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس ماہ میں عید کے بعد چھ دن کے مزید روزے رکھتا ہے، تو گویا وہ پورے سال روزہ رکھنے والا شمار کیا جائے گا، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالَ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ''(۱)

(جو شخص رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے تو ہمیشہ روزے رکھنے والوں کی طرح ہوگا)

افسوس کی بات ہے کہ اس ماہ میں بھی بعض لوگوں نے مختلف بدعات کو رائج کر رکھا ہے، اور بہت سی ایسی چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے جن سے درحقیقت خود ہمارا معاشرہ کڑھن محسوس کرتا ہے، لیکن بعض مرتبہ ان چیزوں کو اسلام کا حصہ سمجھ کر اور بعض مرتبہ روایتی طریقہ کو بحال رکھنے کی خاطر ان پر عمل بہر صورت ضروری سمجھتا ہے، حالانکہ اسلام کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ذیل میں انہیں بدعات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے:

---

(۱)صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب استحباب صوم ستة أيام من شوال: ۲۸۱۵

بدعات

نحوست کا تصور

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عید الفطر کے بعد دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ تک شادی بیاہ یا خوشی کی کسی تقریب کا انعقاد مناسب بات نہیں، اگران مہینوں میں شادی کی جائے تو زوجین کے تعلقات کا بحال رہنا مشکل ہوجاتا ہے، رشتوں میں دراڑیں پڑجاتی ہیں اور گھر برباد ہوجاتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں کسی مہینہ اور کسی وقت کو منحوس سمجھنے کا کوئی تصور ہی نہیں، بالخصوص اس مہینہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت ہے جس میں آپ نے اسی ماہ میں اپنے نکاح کا ذکر کیا، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"تَزَوَّجَنِيُ رَسُوُلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيُ شَوَّالَ وَبَنٰى بِيُ فِيُ شَوَّالَ"(۱)

(شوال میں رسول اللہ ﷺ سے میری شادی ہوئی اور میری رخصتی بھی اسی ماہ میں ہوئی)

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ہر مسلمان یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ آپؓ کو چاہتے تھے، اور امت کو بے شمار ایسے مسائل انہیں کے واسطہ سے معلوم ہوئے جو دیگر صحابی یا صحابیہ بیان نہیں کرسکتے تھے، لہٰذا شوال کے مہینہ میں نحوست کا تصور محض جاہلانہ تصور ہے، جس کا عقل وشریعت سے کوئی تعلق نہیں۔

عید کے دن مصافحہ ومعانقہ کا التزام

عیدین کے موقع پر مصافحہ ومعانقہ کا چلن بھی خوب عام ہوگیا ہے، لوگ عید کا

(۱)مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب التزویج والتزویج فی شوال: ۳۵۴۸

خطبہ سن کر مسجد سے نکلنے سے پہلے ہی یہ سلسلہ شروع کردیتے ہیں، اس کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس عمل سے گریز کرے، تو سماج میں اس کو ترشی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، بسا اوقات اس کے نتیجہ میں ترک کلام کی نوبت بھی آجاتی ہے، اور اس عمل کو اس قدر اہتمام کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے، جس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ گویا یہ بھی عید کا ایک ''لازمی جزء'' ہے۔

دین اسلام میں مصافحہ کی بہت اہمیت وارد ہوئی ہے، یہاں تک کہا گیا کہ اگر درمیان میں کوئی چیز حائل ہوجائے، اس کے بعد دو مسلم بھائی ملیں تب بھی مصافحہ کریں، کیونکہ دو مسلمان بھائی جب آپس میں ایک دوسرے سے صدق دل کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے دونوں کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، مگر افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں میں مصافحہ کا رواج بزرگوں سے تبرک حاصل کرنے کی حد تک ہی باقی رہ گیا، عام طور پر روزانہ کے ملنے جلنے والے لوگوں میں اس سنت کا فقدان نظر آتا ہے، البتہ عید کے روز اور بعض علاقوں میں مخصوص نمازوں کے بعد صرف مسجد ہی میں ایک دوسرے سے مصافحہ کا معمول ہے۔

اس مصافحہ کے جواز کے لیے بہت سے لوگ ان تمام روایات کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں جن میں وقت کی کوئی تحدید نہیں، لیکن شاید ہی سو میں دس لوگ ایسے ہوتے ہوں جو ان مواقع پر سنت سمجھ کر مصافحہ و معانقہ کرتے ہوں، حقیقت یہ ہے کہ اکثر کا خیال محض ایک روایت پوری کرنا ہوتا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، فقہ حنفی کی مستند و مشہور کتاب ''فتاوی شامی'' میں اس مسنون عمل کو کسی بھی وقت کے ساتھ خاص کرنے کو روافض کی مشابہت اختیار کرنا بتایا گیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

''تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال، لأن الصحابة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض''(١)

(١) رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، باب الاستبراء وغيره: ٤٣٨/٢٦

(نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر صورت میں مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز کے بعد کبھی مصافحہ کا التزام نہیں کیا، حقیقۃً یہ روافض کے طریقوں میں سے ہے)

قبرستان جانا

عید کی نماز سے فارغ ہو کر قبرستان جانا بھی اس دور میں لازمی سمجھ لیا گیا ہے، چنانچہ ایک بڑی تعداد نماز سے فراغت کے بعد گھر لوٹنے اور احباب واقارب سے ملنے کے بجائے سیدھی قبرستان جاتی ہے، راستہ میں خوب دنیا بھر کی باتیں بھی ہوتی جاتی ہیں، اظہار خوشی کا جذبہ اس حد تک ہوتا ہے کہ قبرستان کے آداب کا بھی خیال نہیں رہتا، بلکہ اس چیز کو محض ایک رسم کے طور پر ادا کرنا ہی کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔

روایات میں قبرستان جانے کی متعدد فضیلتیں وارد ہوئی ہیں، اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو قبرستان دیکھ کر خود اپنی قبر کی یاد آتی ہے، اور آخرت کی فکر کسی درجہ میں دامن گیر ہوتی ہے، اس کے علاوہ انسان کے دل کو اس بات سے بھی تسلی ہوتی ہے کہ اس نے قبرستان پہنچ کر اپنے قریبی شخص کو ایصال ثواب کا اہتمام کیا، بالخصوص عید کے روز انسان کو دلی خوشی ہوتی ہے کہ جہاں وہ آج پورا دن خوشی میں گذارے گا، وہیں اول مرحلہ میں اپنے اس قریبی شخص کو بھی ایصال ثواب کے ذریعہ دل کو تسلی دے جو اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے، اور آج وہ اس مرحوم کے ساتھ خوشیاں منانے سے محروم ہے، اگر یہ چیز اسی حد تک رہے اور اس کو بہت زیادہ ضروری قرار نہ دیا جائے، نہ ہی اس کو عید کا جز سمجھا جائے، نہ ہی اس عمل کو اس دن کے ساتھ مخصوص کرنے پر فضائل میں شمار کیا جائے، اور تمام آداب ورعایات کے ساتھ عام دنوں میں قبرستان کی زیارت کرنے کی طرح زیارت کی جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن چونکہ اس دن عموماً ایسا کم ہوتا ہے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس دن احتیاط سے کام لیا جائے، کسی مخصوص دن بڑی تعداد میں قبرستان جانا رسم بنا لینے ہی کے مرادف ہے، جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔

عیدی

عید کے دن مسلمانوں کی اکثریت عیدگاہ میں جا کر نمازِ عید ادا کرتی ہے، عیدگاہ کے باہر مختلف چیزوں کے ٹھیلے لگے ہوتے ہیں، جن میں بچوں کے شوق کا دلچسپ سامان مہیا ہوتا ہے، چنانچہ بڑے لوگ شفقۃً اپنے بچوں کی دل داری کے لیے کچھ رقم دیتے ہیں جس کو عام طور پر ''عیدی'' کہا جاتا ہے، اکثر علاقوں میں اس کا چلن عام بات ہے، لیکن بہت سے عاقل بالغ لوگ بھی اس کو باقاعدہ اپنا حق سمجھتے ہیں، اگر اس سلسلہ میں ذرا کوتاہی ہو جائے تو بول چال میں فرق آ جاتا ہے، اکثر علاقوں میں ہر چھوٹا اپنے بڑے سے عیدی لیے بغیر عید کو ناقص سمجھتا ہے۔

اگر کوئی شخص عید کے دن یا عید کی مناسبت سے کسی کو محبت میں ہدیہ پیش کرے، خواہ وہ رقم کی شکل میں ہو یا کسی دوسری شکل میں تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ اپنی طرف سے عاقل بالغ کا اصرار کے ساتھ عیدی مانگنا درست نہیں، نہ ہی یہ ایک مسلمان کی شایانِ شان ہے کہ وہ دستِ سوال دراز کرے، دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور و معروف عالمِ دین مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

> ''عیدی مانگنا تو جائز نہیں، البتہ خوشی سے بچوں کو، ماتحتوں کو، ملازموں کو ہدیہ دے دیا جائے تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے، نہ اس کو سنت تصور کیا جائے''۔(۱)

عید الابرار

بعض لوگ شوال کی آٹھ تاریخ کو ''عید الابرار'' منانے کے بھی قائل ہیں، جس کا مطلب ہے: ''نیک لوگوں کی عید''، ان کا کہنا ہے کہ رمضان کے مکمل روزے رکھنے کے بعد اور عید کے بعد شوال کے مستقل چھ نفل روزے رکھ کر آٹھ شوال کو روزوں کا

---

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۵۱۸

ایک لمبا مرحلہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا آٹھ شوال کو عید الفطر کی طرح ''عید الابرار'' کے نام سے باقاعدہ عید منانا خلاف شرع عمل نہیں ہے، جب کہ شریعت میں سوائے عیدین کے کسی اور عید کا تذکرہ ہی نہیں ملتا، نہ ہی خیر القرون سے اس کی کوئی دلیل فراہم ہوتی ہے، اسی لیے امام ابن تیمیہؒ اس عید پر سخت کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”وأما ثامن شوال فليس عيدا لا للأبرار ولا للفجار ولا يجوز لأحد أن يعتقده عيدا ولا يحدث فيه شيئا من شعائر الأعياد“(۱)

(اور جہاں تک آٹھ شوال کا تعلق ہے تو اس دن نہ نیک لوگوں کی عید ہے اور نہ ہی گناہگاروں کی، لہٰذا کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس دن کو عید تصور کرے، اور نہ ہی یہ درست ہے کہ اس دن عید کے دن کیے جانے والے کاموں میں سے کوئی کام کرے)

---

(۱)الاختيارات الفقهية، كتاب الصوم: ۴۲۶/۱

ذی قعدہ کی بدعات

”ذی قعدہ“ اسلامی کلینڈر کا گیارہواں مہینہ ہے، یہ مہینہ محترم مہینوں میں شامل ہے، اس مہینہ کا چاند طلوع ہوتے ہی اہل عرب جنگی سلسلہ موقوف کر دیتے اور خدامِ حرم حج کرنے والوں کے واسطہ بیت اللہ کو سجانے میں مصروف ہو جاتے، آج بھی ذی قعدہ کا مہینہ حج کی تیاری والا مہینہ شمار کیا جاتا ہے، اس مہینہ میں دنیا بھر کے لوگ خوب جوش وخروش سے حج کی تیاریاں کرتے ہیں۔

ذیل میں اس ماہ کی بعض بدعات کا مختصراً تذکرہ ہے:

بدعات

نحوست کا تصور

اس مہینہ میں عموماً کوئی بدعت نہیں پائی جاتی، البتہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ مہینہ ”عید الفطر“ اور ”عید الاضحیٰ“ کے درمیان والا مہینہ ہے، اور عام طور پر اس ماہ میں لوگ حج کی تیاریوں میں مصروف ہوتے ہیں، جو حج پر نہیں جاتے وہ قربانی کے سلسلہ میں فکر مند رہتے ہیں اور انھیں اگلی عید کا انتظار رہتا ہے، اسی بنا پر وہ خوشی کی تقریبات کے انعقاد کو درست نہیں سمجھتے اور اسے خالی کا مہینہ کہتے ہیں، واضح رہے کہ دین اسلام میں کوئی چیز خالی نہیں ہوتی، پھر یہ تو وہ مہینہ ہے جس میں حجاج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہی سے حج جیسے عظیم الشان سفر کی تیاری شروع کر دیتے

ہیں، موجودہ دور میں اس ماہ کو نحوست کا مہینہ سمجھنے کے متعلق ''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے:

''جو ماہ بنظر قرآن عدل وعزت کا مہینہ ہو، اور اشہر حج کا ایک ماہ مبارک ہو اور جس میں آنحضرت ﷺ نے تین عمرے فرمائے ہوں، ایسا مہینہ منحوس کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کو منحوس سمجھنا اور اس میں خطبہ رشتہ اور نکاح وغیرہ خوشی کے کاموں کو نامبارک ماننا جہالت اور مشرکانہ ذہنیت ہے اور اپنی طرف سے ایک جدید شریعت کی ایجاد ہے، ایسے ناپاک خیالات اور غیر اسلامی عقائد سے توبہ کرنا ضروری ہے''۔(۱)

(۱) فتاوی رحیمیہ: ۱۱۳/۲

ذی الحجہ کی بدعات

’’ذی الحجہ‘‘ اسلامی کلینڈر کا بارہواں مہینہ ہے، یہ مہینہ تاریخی اعتبار سے نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے، یہی وہ مہینہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانیوں کی یادتازہ ہوتی ہے، حج جیسی اہم ترین عبادت اسی مہینہ میں ادا کی جاتی ہے، حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی قربانی والی سنت بھی امت مسلمہ اسی ماہ میں ادا کرتی ہے، دنیا بھر کے مسلمان اس مہینہ کو خاص عظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اوراس کے شعائر پر عمل کر کے قرب الٰہی کے حق دار بنتے ہیں۔

عشرۂ ذی الحجہ

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینہ کا پہلا عشرہ خاص طور پر فضیلت واہمیت کا حامل ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

”مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهَا أَحَبُّ إِلیٰ اللّٰهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ“(۱)

(دیگر ایام کے مقابل ان دنوں کے اعمال اللہ کو بہت پسند ہیں)

مذکورہ روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مہینہ کے اولین دن نہایت اہمیت کے حامل ہیں، ان میں زیادہ تر وقت عبادت ہی میں مصروف رکھنا چاہیے، جولوگ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، وہ لوگ اپنے بالوں اور ناخنوں کو ان دنوں میں اپنی حالت پر چھوڑ دیں، تاکہ اس اہم عشرہ میں اللہ رب العزت کے لیے مطیع وفرماں

---

(۱)سنن أبی داؤد، کتاب الصوم، باب فی صوم العشر: ٢٤٤٠

برداری کا اظہار زیادہ سے زیادہ ہو سکے، جو لوگ سفر حج پر نہ گئے ہوں، ان کے لیے مناسب ہے کہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک روزے رکھنے کی کوشش کریں، البتہ نویں کا خاص طور پر اہتمام کریں، کیونکہ یہ دن فضیلت وثواب کے اعتبار سے نہایت عظمت والا دن ہے، روایت میں آتا ہے:

"صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ إِنِّيْ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهُ"(۱)

(یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے روزہ کے متعلق میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ گذشتہ وآئندہ سال کے گناہ معاف کردے گا)

ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں اسلام کے تمام بنیادی ارکان جمع ہوجاتے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت تازہ کرنے سے صاحب ایمان کا عقیدۂ توحید پختہ ہوتا ہے، نمازوں کی پابندی ہوتی ہے، نفل روزوں کا اہتمام ہوتا ہے، اور اس کے اندر قربانی کے لیے ایک خطیر رقم بھی راہِ خدا میں صرف کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کے علاوہ ایک بڑی تعداد حج کے اہم فریضہ کو بھی ادا کرنے میں مشغول ہوتی ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ بعض لوگ ایسے عظیم الشان تاریخی اہمیت کے حامل مہینہ میں مسنون اعمال چھوڑ کر بعض آبائی روایات کے پورا کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کردیتے ہیں، اور غیر ضروری کاموں ہی کو اصل سمجھ بیٹھتے ہیں، ذیل میں اس ماہ کے اندر کیے جانے والی بعض بدعات وخرافات ملاحظہ ہوں:

بدعات

دس بجے تک روزہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن دس بجے تک روزہ رکھنا واجب ہے،

(۱)سنن الترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی فضل صوم عرفة: ۷۵٤

کچھ لوگ شدت کے ساتھ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں، اس سلسلہ میں واضح رہے کہ یہ مسنون حکم اس شخص کے لیے ہے جو اسی دن قربانی کی نیت رکھتا ہو، ارشاد ہے:

"إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ وَلَا يَأْكُلُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يَرْجِعَ فَيَأْكُلَ مِنْ أُضْحِيَّتِهِ"(۱)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے روز بغیر کچھ کھائے باہر تشریف نہیں لاتے اور عید الاضحیٰ کے دن بغیر کچھ کھائے ہی تشریف لے آتے یہاں تک کہ واپسی میں اپنے ہی قربانی کے گوشت کو تناول فرماتے)

چنانچہ مسنون عمل یہ ہے کہ جس شخص کو صبح ہی قربانی کرنی ہو وہ عیدگاہ سے آنے کے بعد پہلے قربانی کرے اور پھر اس قربانی کا گوشت استعمال کرے، البتہ جو شخص کچھ وقفہ کے بعد یا کسی دوسرے دن قربانی کی نیت رکھتا ہو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ صبح کچھ کھا پی لے، لیکن اگر کوئی شخص محض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنت پر عمل کرنے کی نیت سے صبح کچھ نہ کھائے پیئے تو بھی کوئی حرج نہیں، انشاء اللہ اس کو سنت پر عمل کا پورا ثواب بھی ملے گا، البتہ اس چیز کو ضروری سمجھ لینا درست نہیں ہے۔

سفرِ حج کی بدعات

حج دین اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے، ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار اس کی ادائیگی فرض ہے، بسا اوقات اس کی ادائیگی ایک صاحب ایمان کی زندگی میں انقلاب کا سبب بن جاتی ہے، اس سے فارغ ہو کر بندہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس کو اس کی ماں نے آج ہی جنم دیا ہو، مگر افسوس کی بات ہے کہ اس عظیم عبادت کے لیے کیے جانے والے سفر میں ایسی بے اصل اور غیر شرعی چیزیں لازم کر لی گئی ہیں جن کے منفی اثرات سے اس عبادت کی روح ہی نکل جاتی ہے۔

---

(۱)سنن البیهقی الصغری، باب السنة فی العیدین: ۷۱۲

بعض علاقوں میں یہ چلن عام ہے کہ جب حج کے ایام قریب آتے ہیں تو حج پر جانے والے حضرات اپنے متعلقین کے گھر گھر میں جا کر ملاقاتیں کرتے ہیں اور کہی سنی باتوں کی معافی مانگتے ہیں، سفر پر روانگی سے قبل آدابِ حج کی تعلیم کے بجائے زیادہ تر اوقات مارکیٹوں میں گذارتے ہیں، اور روانگی سے چند دن قبل تمام اعزاء و اقرباء کو جمع کر کے ایک عظیم الشان پر تکلف دعوت کا اہتمام ہوتا ہے، جس میں بے پردگی اور اسراف وتبذیر کی کوئی حد نہیں ہوتی، اس کے بعد بہت سے لوگ روانگی سے قبل حجاج کرام کو کچھ رقم خدام حرم کی خدمت میں صدقہ کے بطور بھی دیتے ہیں۔

بلاشبہ یہ ایک اچھا عمل ہے کہ سفر حج پر روانگی سے قبل انسان سب سے معافی مانگے، اور ایک لمبے سفر سے قبل معقول تیاری بھی کر لے، اسی طرح اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ سفر حج سے قبل شرعی حدود میں رہتے ہوئے رشتہ داروں اور احباب کی دعوت کی جائے، اور آنے والے مہمان حجاج کرام کو بطور صدقہ کچھ رقم نذر کریں۔

لیکن اس سلسلہ میں شدت سے کام لینا بھی یقیناً بے جا ہوگا، بعض علاقوں میں یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر سفر حج سے قبل کسی عزیز کا گھر ملاقات سے چھوٹ جائے تو نوبت ترک تعلق تک پہنچ جاتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص روانگی سے قبل مختصر سی تیاری پر اکتفا کرے اور زیادہ تر وقت مسائل حج کو سیکھنے میں گذارے تو اس پر بھی طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔

درحقیقت ان تمام چیزوں کی اہمیت اس وقت زیادہ تھی جب سمندری سفر ہوتے تھے، حج پر جانے والے کا کوئی بھروسہ نہ ہوتا تھا کہ خدا کب اس کو صحیح سالم واپس پہنچائے، لیکن اس دور میں عام طور پر محض چالیس دن کے عرصہ کے اندر ہی لوگ واپس آجاتے ہیں، اور مستقل رابطہ عامہ کے ذریعہ خبر گیری بھی بآسانی ہوتی رہتی ہے، اس لیے اس چیز کو ویسی اہمیت دینا اور آداب حج کا جز بنانا درست نہیں۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ ان بدعات ورسومات میں سے ایک اہم چیز یہ ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا کہ حجاج کی روانگی سے قبل احباب کچھ رقم بطور ہدیہ پیش کرتے

ہیں، اس بدعت کی حقیقت پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ شاید یہ چیز اس وقت سے رواج میں آئی جب حرمین شریفین کے حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے، وہاں کے علاقے تیل کی دولت سے مالا مال نہ ہوئے تھے، چنانچہ اس وقت جب کوئی شخص حج پر جاتا تھا تو اس کو خدام حرم کے تعاون کے لیے کچھ رقم چندہ کر کے دی جاتی تھی، تاکہ وہاں کے لوگوں کی ضروریات کا تکفل ہو سکے۔

ظاہر بات ہے کہ اس دور میں وہاں اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں، یہ چیز ایک ضرورت کے تحت کسی دور میں رائج تھی، اب اس کو بغیر سوچے سمجھے معمول بنانا اور اس پر شدت سے عمل کرنا غیر ضروری بات ہے۔

غم وماتم کی بدعات

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں موت وحیات کا مقصد ''حسن عمل'' کی پیمائش بتایا ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً﴾

(الملك: ٢)

(اس نے موت وزندگی کو اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزما کر دیکھے کہ تم میں کون عمل میں زیادہ بہتر ہے)

گویا ہر انسان کو زندگی اس لیے عطا کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ انسان ہدایت وضلالت میں سے کس راستہ کا انتخاب کرتا ہے، اور موت کا نظام اس لیے جاری ہے تاکہ انسان کو اس کے عمل کی جزا دی جاسکے، چنانچہ کامیاب شخص وہ ہے جو موت کے بعد ملنے والی جزا سے قبل اپنی زندگی میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لیے حرز جاں سمجھے، اخروی زندگی کی یاد تازہ رکھنے کے لیے موت کو بکثرت یاد کرے، اپنے نفس کی پیروی کے بجائے کتاب وسنت کی تعلیمات کو زندگی میں نافذ کرے، اور مادیت کی طلسماتی دنیا سے مسحور ہونے کے بجائے راہِ حق کو وسیلۂ نجات تصور کرے۔

افسوس کی بات ہے کہ اہل اسلام کی ایک بڑی تعداد موت وحیات کے حقائق سے چشم پوشی برتتی ہے، ایک بڑا طبقہ زندگی کے تمام شعبوں میں اپنے نفس کا غلام نظر آتا ہے، اس کی خاطر شرعی تعلیمات کو نظر انداز کرنا یا اپنے نفس کے مطابق ڈھالنا کوئی بڑی

بات نہیں ہوتی، حتی کہ ''موت'' کے سلسلہ میں بھی اس کو ذرا باک نہیں ہوتا، جبکہ ہر انسان کو اس کا مزہ چکھنا ہے، اور اس سے گذر کر مالک حقیقی سے ملنا ہے، اور وہاں ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے۔

موت کے سلسلہ میں آج ایسی بدعات وخرافات رائج ہیں جن کے نتیجہ میں انسان آخرت کی فکر اور یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے، انسان کی روح قبض ہونے سے لے کر قبر میں اس کی ہڈیوں کے گلنے کے بعد تک خرافات کا ایک ایسا سلسلہ جاری رہتا ہے جو توحید کی حقیقت سے دور کر کے شرک کی دہلیز تک پہنچا دیتا ہے۔

ذیل میں اس سلسلہ کی مشہور بدعات ورسومات کا تذکرہ وتجزیہ ملاحظہ ہو:

بدعات

میت پر آہ وبکا

اکثر علاقوں میں انسان کی حرکت قلب بند ہونے کے فوراً بعد ہی میت کے پاس عورتیں جمع ہو جاتی ہیں اور جاہلوں کی طرح چیخ چیخ کر رونا دھونا شروع کر دیتی ہیں، اس چیخ وپکار میں گریبان پر ہاتھ مارنا اور آنسو بہانا بھی ہوتا ہے اور میت کے اقرباء کی ایسی ایسی باتوں کا ذکر بھی ہوتا ہے جو بسا اوقات اہل خانہ کے لیے تعزیت کے بجائے اذیت کا باعث ہوتی ہیں، اس کے علاوہ ایسے جملے بھی استعمال کیے جاتے ہیں جن سے تقدیر پر ایمان کی صاف طور پر نفی ہوتی ہے، اور بعض مرتبہ اللہ رب العزت کی شان میں کھلی گستاخیاں بھی ہو جاتی ہیں۔

شریعت میں اہل میت کو رونے اور اظہار غم کی اجازت ہے، بلاشبہ یہ ایک فطری تقاضا بھی ہے، لیکن اس چیز کو رسم بنانا اور اس میں جاہلی چیزوں کا شامل کرنا شریعت کے خلاف بات ہے، ہر صاحب ایمان پر اس سے توبہ لازم ہے، احادیث میں ایسے جاہلی امر کے متعلق صراحت سے ممانعت وارد ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"النِّيَاحَةُ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَإِنَّ النَّائِحَةَ إِذَا مَاتَتْ وَلَمْ تَتُبْ قَطَعَ اللّٰهُ لَهَا ثِيَاباً مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعاً مِنْ لَهَبِ النَّارِ"(۱)

(نوحہ خوانی جاہلیت کے کاموں میں سے ہے، اور نوحہ کرنے والی عورت جب مر جاتی ہے اور اس نے توبہ نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے دہکتا ہوا تارکول کا لباس اس کو پہنائیں گے)

تجہیز و تکفین کے بعد

بعض علاقوں میں یہ چلن بھی عام ہے کہ میت کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد اس کے سینہ یا پیشانی پر کلمہ لکھا جاتا ہے، اس کے کفن سے منھ کھول کر متعدد بار ہر شخص کو دکھانا ضروری سمجھا جاتا ہے، اور گھر سے جنازہ اٹھاتے وقت یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ جنازہ اٹھانے والے حضرات میت کے اقرباء ہی ہوں، اگر اس سلسلہ میں ذرا بھی کوتاہی ہو جائے تو اقرباء پر لعن طعن بھی کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ جنازہ قبر میں رکھ دینے کے بعد بھی بعض جگہ یہ رواج ہے کہ وہاں بھی میت کا منھ کھول کر دکھایا جاتا ہے، تدفین کے وقت یہ چیز بھی رائج ہے کہ قبر میں چند صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ بھی رکھ دیا جاتا ہے جسے ''عہد نامہ'' کہا جاتا ہے، اس کتاب کے اندر ملائکہ کے نام قرآنی آیات کے حوالہ سے میت کے صاحب ایمان ہونے کی سفارش ہوتی ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب ملائکہ قبر میں تشریف لائیں تو ان چیزوں کو دیکھ کر خود بخود یہ بات سمجھ جائیں کہ یہ شخص پکا مؤمن ہے، لہٰذا اس سے سوال و جواب کی کوئی ضرورت نہیں، حالانکہ قبر میں میت سے سوال و جواب کا ثبوت روایات میں صراحۃً موجود ہے، اس لیے ان چیزوں کے ذریعہ سوالات کے جوابات دینے میں سہولت پیدا ہو جانے کا تصور بے بنیاد اور فرمان نبوی ﷺ کے خلاف ہے۔

اسی طرح عہد نامہ یا اس جیسی کسی دوسری کتاب کا قبر میں رکھنا آیات قرآنیہ و

(۱) سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب في النهي عن النياحة: ١٦٤٨

ادعیۂ ماثورہ کی توہین ہے، کیونکہ تدفین کے بعد قبر کی مٹی سے ان چیزوں کا سَن جانا یقینی بات ہے، اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ انسان کی وفات کے بعد اس کا جسم پھٹ جاتا ہے اور پورا جسم بوسیدہ ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کوئی پاکیزہ چیز میت کے ساتھ دفن کر دی جائے تو یہ بات طے ہے کہ وہ تمام گندگی ان چیزوں سے بھی مس ہوگی اور ان کی توہین لازم آئے گی، اس لیے عقل و شریعت کا تقاضا یہی ہے کہ ان چیزوں سے احتراز کیا جائے، اور میت کے متعلق یہی گمان کیا جائے کہ خدا کی جانب سے اس کے حق میں خیر کا فیصلہ ہی صادر ہوا ہوگا۔

بیوی کا زیور و چوڑی اتارنا

شوہر کی وفات کے بعد جنازہ کو قبرستان لے جانے سے قبل یہ بات عام ہوگئی ہے کہ بیوی کی چوڑیاں کسی پتھر پر رکھ کر پھوڑ دی جاتی ہیں، اس کے زیورات وغیرہ کو جنازہ قبرستان لے جانے سے قبل اتارا جاتا ہے، اور شوہر کی تدفین کے فوراً بعد عورت کو غسل دینا ضروری سمجھا جاتا ہے، اس سلسلہ میں موسم کی شدت کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا، جس کی بنا پر بسا اوقات جانی نقصان کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

شوہر کی وفات کے بعد اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ بیوی ایک متعینہ مدت تک سوگ منائے، اور زیب و زینت اختیار کرنے سے بچے، لیکن چوڑی وغیرہ کا پتھر پر رکھ کر پھوڑنا درست نہیں، اس میں مال کے نقصان کے ساتھ بسا اوقات بدن سے خون بھی نکل آتا ہے، البتہ اس چیز کا عورت کو خود خیال رکھنا چاہیے اور شوہر کی وفات کے فوراً بعد ان چیزوں کو آسان طریقہ پر خود ہی اتار دینا چاہیے، کیونکہ اصل مقصود زیب و زینت ترک کرنا ہے، نہ کہ ان چیزوں کو توڑنا پھوڑنا، اسی طرح غسل کے متعلق یہ اہتمام بھی غیر شرعی چیز ہے، شوہر کی وفات کے بعد اصل چیز عورت کے لیے اسلامی طریقہ پر عدت گذارنا ہے، جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے:

”لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ

أَشْهُرٍ وَعَشْراً وَلَا تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طِيْباً إِلَّا إِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ"(۱)

(کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں منائے گی، مگر شوہر پر، اس پر چار مہینہ دس دن تک سوگ منائے، نہ وہ رنگین کپڑے پہنے سوائے گرم کپڑوں کے، اور سرمہ اور خوشبو بھی استعمال نہ کرے، مگر اس دوران میں جب پاک ہو (حیض سے) تو معمولی سی قسط یا اظفار (خوشبو) استعمال کرلے)

جنازہ کے ساتھ سامان صدقہ

جب جنازہ قبرستان لے جایا جاتا ہے تو بعض جگہ یہ بدعت رائج ہے کہ اس کے ساتھ میٹھے چاول یا کھیر وغیرہ پکا کر یا گیہوں اور کچے چاول قبرستان تک لے جاتے ہیں، اور وہاں فقراء میں تقسیم کردیتے ہیں۔

بلاشبہ فقراء میں ان چیزوں کا تقسیم کرنا کارِ خیر میں شمار ہوگا، لیکن اس چیز کو مخصوص طور پر متعین کرلینا خلاف سنت ہے، اگر ان چیزوں کو تقسیم کرکے ایصال ثواب کرنا ہی مقصود ہے تو وہ خواہ کہیں بھی کیا جائے، اس کا ثواب میت کے حق میں پہنچ جائے گا، لیکن ان چیزوں کے قبرستان تک لانے کا التزام کرنا درست نہیں، نہ ہی اس کے متعلق احادیث سے کوئی سند ملتی ہے۔

جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی

قبرستان تک جنازہ لے جاتے وقت بعض جگہ بآواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد مسنون عمل سمجھا جاتا ہے، بعض لوگ اس کے علاوہ بھی دیگر آیات قرآنیہ پڑھتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کا ورد یا آیات قرآنیہ کی تلاوت کوئی غلط بات نہیں، مگر جنازہ کی حرمت

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة...: ۳۸۱۳

اورادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس سلسلہ میں احتیاط برتی جائے، اور تیز آواز میں ذکر نہ کیا جائے، کیونکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ میں آوازیں بلند کرنے کو ناپسند فرمایا ہے، اسی لیے بعض علماء نے جنازہ میں ذکر کو مکروہ بھی لکھا ہے، جیسا کہ حضرت حسنؓ کی روایت ہے:

"كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الثَّلَاثَةِ: الْجَنَائِزُ وَالْقِتَالُ وَالذِّكْرُ"(۱)

(آنحضرت ﷺ کے اصحاب تین موقعوں پر آواز بلند کرنے کو ناپسند کرتے تھے: جنازہ میں، قتال میں اور ذکر کے وقت)

بیری کے پتے اور پانی

بعض جگہوں پر قبر تیار ہونے کے بعد بیری کے پتے ڈالنا اور قبر پر پانی چھڑکنا نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے، جب کہ اس کی اصل ضرورت اس وقت زیادہ ہوتی ہے، جب قبرستان ایسی جگہ ہو جہاں موذی جانوروں کے قبر کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو، اگر کوئی جگہ ایسی ہے تو مناسب یہ ہے کہ اس قبر پر پانی وغیرہ ڈال کر مٹی کو پختہ کر دیا جائے اور ببول کے کانٹے یا اس کے اردگرد لکڑیاں وغیرہ ڈال کر اس کو محفوظ کر دیا جائے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو اس سلسلہ میں شدت سے کام لینا ضروری نہیں، یہ ایک انتظامی چیز ہے، اس کا مسنون اعمال سے تعلق نہیں۔

قبر پر اذان

میت کی تدفین سے فراغت کے بعد بعض جگہ قبر پر اذان دینے کا رواج ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صاحب قبر کے درجات بلند ہوں اور حساب میں آسانی ہو۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر میں سوالات و جوابات کے موقع پر شیطان مردہ کو بہکاتا ہے، اس لیے اس کے حق میں دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آسانی کا معاملہ

(۱) السیر الکبیر: ۸۹/۱

فرمائے، چونکہ اذان سے زیادہ جامع کوئی دوسری دعا نہیں، اور اذان کے سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ سے یہ بات بھی منقول ہے کہ شیطان اذان کی آواز سن کر دور بھاگتا ہے، اس لیے مناسب ہے کہ ایسے وقت میں اذان دینے کا اہتمام کیا جائے۔

اذان کو دعا پر محمول کر کے مشروع کرنا مناسب نہیں، کیونکہ عرف میں اذان کے لیے دعا کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوتا، پھر یہ سوچنا کہ قبر میں سوالات کے وقت شیطان مردہ کو نہیں بہکا سکتا، تو معلوم ہونا چاہیے کہ شیطان زندوں کو بہکاتا ہے نہ کہ مردوں کو، انسان کے مرنے کے بعد کراماً کاتبین اس کا نامۂ اعمال بند کر دیتے ہیں، پھر قبر میں ان اعمال کا حساب ہوتا ہے جو انسان دنیا میں انجام دے چکا ہے، اور انہیں اعمال کی بنیاد پر انسان قبر کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔

کلمات اذان کا ادا کرنا یقیناً درست ہے، مگر قبر پر اذان دینا ایک غیر ضروری وغیر شرعی عمل ہے، اس کا ثبوت نہ نبی اکرم ﷺ سے ہے، نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی کا یہ معمول تھا۔

نبی اکرم ﷺ کا میت کے حق میں دعا کرنے سے استدلال کرتے ہوئے اذان کو مشروع قرار دینا بھی غلط ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ سے دعائیہ الفاظ تو ثابت ہیں البتہ اذان کا ثبوت نہیں، اسی لیے فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب فتاویٰ شامی میں صراحت کے ساتھ قبر پر دی جانے والی اذان کو بدعت بتایا گیا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

”لا یسن الأذان عند إدخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر فی فتاویه بأنه بدعة“(۱)

(میت کے قبر میں دفن کرنے کے بعد اذان دینا مسنون نہیں، جیسا کہ آج کل عام رواج ہے، اس کے متعلق ابن حجرؒ نے صراحت سے اپنے فتاوی میں لکھا ہے کہ یہ عمل بدعت ہے)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی دفن المیت: ۳۷۳/۶

قبر پر تلاوت

بعض علاقوں میں تدفین میت کے بعد کسی حافظ کو اجرت پر قرآن مجید کی تلاوت کا مکلّف کرنا بھی عام ہے، اس میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جن نوجوان حفاظ کو اس کا مکلّف بنایا جاتا ہے وہ اس چیز کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے اور قبر پر حاضری دے کر یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہم نے وہاں تلاوت کا معمول بحال رکھا، حالانکہ وہ اس سلسلہ میں کما حقہ دیانت داری سے کام نہیں لیتے۔

بلاشبہ قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب میت کو بخشنا ایک اچھی بات ہے، مگر اس چیز کو اجرت پر کرانا کوئی قابل تحسین عمل نہیں، گویا یہ بات اس چیز کی غماز ہے کہ انسان کے پاس اتنا بھی وقت نہیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کر سکے، اس لیے اس نے ایک کرایہ کے حافظ کو مقرر کر دیا کہ وہ اس کام کو انجام دے۔ اس میں غور طلب بات یہ بھی ہے کہ کیا ایصال ثواب کے لیے قبرستان جانا ہی ضروری ہے، اور اگر ضروری ہے تو کیا پھر چالیس دن کے بعد مردہ کو معافی کا پروانہ حاصل ہو جائے گا، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ معمول ہمیشہ کے لیے جاری نہ رکھنا بھی ایک بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، حقیقت یہ ہے کہ میت کے اقرباء کو بذات خود ایصال ثواب کا اہتمام کرنا چاہیے، اور مخصوص ایام میں التزام کے بجائے اس چیز کو اپنی زندگی کے معمولات میں شامل کر لینا چاہیے، رسمی طور پر کسی کو قرآن مجید کی تلاوت کا مکلّف کرنے سے احتیاط برتنا چاہیے، کیونکہ ایسی صورت میں ایصال ثواب محض ایک رسمی چیز بن جاتی ہے، اس میں خلوص کی وہ کیفیت نہیں ہوتی جس کا مطالبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس امر کو نامناسب قرار دیا ہے، بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم مولانا عبد السمیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ”اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوادیں یہ البتہ مکروہ ہے، اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے“۔(۱)

---

(۱) انوار ساطعہ: ۱۰۷

پھول اور چادر چڑھانا

میت کی قبر تیار ہونے کے بعد اس قبر پر پھول اور چادر ڈالنا یا اگربتی وغیرہ لگانے کا اہتمام کرنا بھی بدعات میں سے ہے، عام طور پر اس کی توجیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے اور جب تک یہ تر گھاس اور پھول وغیرہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرتی رہیں گی تب تک میت پر عذاب قبر نہیں ہوگا، اس سلسلہ میں نبی ﷺ کی ایک روایت کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے، جس میں دو قبروں پر ہری شاخ رکھنے کا ذکر ہے، اور چونکہ چادر چڑھانے کی کوئی روایت موجود نہیں، اس لیے اس سلسلہ میں حفاظت کے لیے غلاف کعبہ وغیرہ سے تشبیہ دے کر جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

بلاشبہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، اور جہاں خدا کا ذکر ہو وہاں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، مگر اس چیز سے استدلال کرتے ہوئے قبر پر ان چیزوں کا ڈالنا یقیناً نامناسب بات ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا ہم بغیر کسی دلیل کے یہ یقین رکھتے ہیں کہ صاحب قبر عذاب میں مبتلا ہے، اور ان پھول پتیوں سے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائے گی، اور اگر یہ گمان نہیں ہے تو پھر پھول پتی ڈالنے کی کوئی دوسری معقول وجہ بظاہر نہیں ملتی، نہ ہی نبی اکرم ﷺ کا ان دو پرانی قبروں کے علاوہ کسی بھی صحابی کی قبر پر ڈالنے کا تذکرہ ملتا ہے، اور نہ ہی عہد صحابہ و تابعین میں سے کسی کا یہ عمل رہا ہے، اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو تخفیف عذاب کی غرض سے نہ سہی، کم از کم رفع درجات ہی کے واسطہ اس کا کوئی ثبوت ضرور نظر آتا، اس لیے مقتضائے عقل یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان کی قبر پر کسی غیر کی قبر پر کیے گئے عمل سے استدلال نہ کیا جائے۔

اسی طرح حفاظت کے واسطہ غلاف کعبہ سے تشبیہ دے کر قبر پر چادر چڑھانے کا رواج عام ہونا بھی خلاف عقل بات ہے، اس لیے کہ موجودہ بزرگان دین سے زیادہ ان صحابہ کا معیار بلند تھا، جنہوں نے اشاعت دین کی خاطر غزوات رسول ﷺ میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، اور آپ ﷺ نے ان کی قبروں پر خراج تحسین پیش

کرنے کے لیے نہ پھول چڑھائے اور نہ ہی چادر وغیرہ ڈالنے کا اہتمام کیا۔

تعظیم قبر

شیطانی حربوں میں ایک کارگر حربہ موجودہ دور میں رائج قبروں کی وہ تعظیم بھی ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''مظاہر شرک'' سے تعبیر کرنا غلط نہیں، قبروں پر گنبد بنانا، ان کی تعظیم میں سجدہ کی حد تک سر جھکا لینا، ان پر اپنی مراد پوری ہونے کی عرضیاں لکھ کر چسپاں کرنا، ان سے منتیں مانگنا، ان کو حاجت روا سمجھنا، ان کے ارد گرد بیت اللہ کے طواف کی طرح طواف کرنا، مزارات پر حاضری کو عمرہ کے برابر سمجھنا، بلاشبہ یہ سب عقل وشریعت کے خلاف باتیں ہیں، عہد صحابہ میں ان باتوں کا کوئی تصور نہ تھا، ان کی تمام تر مصروفیاتِ زندگی کا محور اشاعت دین کی فکر اور شرک وکفر سے پاک ہو کر نفس مطمئنہ کے ساتھ رب العالمین کے حضور حاضری ہوتی تھی۔

تعظیم قبر کے غیر شرعی ہونے کے سلسلہ میں مسائل فقہ پر مشہور ومعروف کتاب ''مالابدمنہ'' کی عبارت ملاحظہ ہو:

> ''سجدہ کردن بسوئے قبور انبیاء واولیاء وطواف گرد قبور کردن ودعا از آنہا خواستن ونذر برائے آنہا قبول کردن حرام است بلکہ چیزھا ازاں بکفر می رساند پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ وازاں منع فرمودہ وگفتہ کہ قبر مرا بت نہ کنند''
>
> (انبیاء واولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنا اور قبور کے ارد گرد طواف کرنا اوران سے دعا مانگنا اوران کے لیے نذر قبول کرنا حرام ہے، بلکہ یہ چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں، رسول اکرم ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اوران سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہے کہ میری قبر کو بت نہ بناؤ)(۱)

---

(۱) مالابدمنہ، کتاب الجنائز: ۸۲۔ ط: مکتبہ رحمانیہ لاہور

انتقال کے بعد مروجہ دعوت طعام

تدفین کے بعد اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ابھی میت کے حقوق کی ادائیگی سے مکمل طور پر بری نہیں ہوئے، جب تک کہ ایصال ثواب کے واسطہ فقراء اور اقرباء وغیرہ کو دعوت نہ کھلا دیں، اسی طرح کھانے والے لوگ بھی اس چیز کو ضروری سمجھتے ہیں، اور ایسی دعوتوں کے منتظر رہتے ہیں، اور ایسا نہ کرنے والوں پر لعن طعن بھی کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وفات کے بعد غم کا ماحول جشن میں تبدیل ہو جاتا ہے، نہ محاسن میت کا تذکرہ ہوتا ہے اور نہ ہی رسمی ایصال ثواب کے علاوہ شرعی ایصال ثواب کا اہتمام۔

تدفین میت کے بعد ایک چیز یہ بھی عام ہے کہ میت کے خاندان سے دور کا تعلق رکھنے والے بھی تین دن تک اپنے گھر میں چولہا جلانے کو بدشگون تصور کرتے ہیں، لیکن ان کو دوری کی وجہ سے ایسا کوئی غم نہیں ہوتا کہ ان کے معمولات زندگی مفلوج ہو جائیں، بلکہ بسا اوقات ان لوگوں کو اس رسم کی پاسداری میں شدید دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔

شریعت میں میت کے اقرباء کے یہاں کم از کم تین دن تک کھانا بھیجنا پسندیدہ عمل ہے، کیونکہ ان دنوں میں ان کو شدت غم کی وجہ سے اپنا بھی ہوش نہیں ہوتا، لیکن میت کے اقرباء کا دعوت کرنا، یا دور کے لوگوں کا اپنے گھر میں کھانا نہ بنانا جہالت پر مبنی بات ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب ''فتاوی شامی'' میں اس تعلق سے سنت کے مطابق معتدلانہ نظریہ ملاحظہ ہو:

"ویستحب لجیران أهل المیت والأقرباء الأباعد تهیئة طعام لهم یشبعهم یومهم ولیلتهم لقوله صلی اللہ علیه وسلم: اصنعوا لآل جعفر طعاما فقد جاء هم ما یشغلهم"(۱)

(اور اہل میت کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۳۹٤/٦

طریقہ یہ ہے کہ وہ ان کے گھر ایک دن اور ایک رات کا کھانا بھیجنے کی فکر کریں، آپ ﷺ کا فرمان ہے: آل جعفر کے لیے کھانا بناؤ، بے شک آج ان کے گھر ایسا واقعہ پیش آیا ہے جس سے وہ غم زدہ ہیں)

چراغ جلانا

تدفین میت کے بعد بعض علاقوں میں بوقت شام چالیس دن تک چراغ جلانے کی رسم بھی عام ہے، اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اگر یہ نہ جلایا جائے تو مردہ عالم برزخ میں روشنی سے محروم رہتا ہے، لہٰذا بعض جگہ یہ چراغ قبرستان میں قبر میں کے پاس جلایا جاتا ہے، یا پھر سہولت اختیار کرتے ہوئے میت کے گھر میں اس جگہ پر جلایا جاتا ہے جو اس کی زندگی میں اس کے آرام کی جگہ ہو، اس کے اندر اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ چراغ یا تو میت کی بیوی زندہ ہو وہ جلائے یا پھر وہ جلائے گا جو میت سے سب سے زیادہ قریب رہا ہو اور دین دار ہو۔

اس سلسلہ میں سنن أبی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صراحت سے ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے، روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ"(۱)

(نبی اکرم ﷺ نے قبروں پر آنے جانے والیوں پر لعنت فرمائی اور ان کو سجدہ گاہ بنانے والیوں پر، نیز چراغ جلانے والیوں پر)

ایصال ثواب کی مختلف شکلیں

میت کی تدفین کے بعد دوسرے دن سے چالیس دن تک مختلف ناموں سے دنوں کی تعیین کے ساتھ ایصال ثواب کرنے کی بدعت اکثر علاقوں میں رائج ہے، جیسے: تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ، ان مخصوص ایام میں تمام اصدقاء واقرباء کی دعوت

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في زيارة النساء القبور: ۳۲۲۸

ہوتی ہے، عمدہ قسم کے پکوان تیار کئے جاتے ہیں، اور بعض چیزوں پر ایک متعین تعداد میں کلمہ وغیرہ پڑھ کر خود کھایا اور تقسیم کیا جاتا ہے، اس کے جواز میں مختلف باتیں نقل کی جاتی ہیں، موضوع روایات سے استدلال کیا جاتا ہے، اور ان شکلوں میں جو چیزیں سراسر غیر شرعی ہیں، ان کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

اس بات پر ذرا بھی غور نہیں کیا جاتا کہ اگر یہ عمل واقعۃً منشائے نبوت کے مطابق ہوتا تو اس کی صحیح سند کے ساتھ آپ ﷺ سے کوئی نظیر بھی فراہم ہوتی، اور اس نیک عمل میں سبقت کرنے والے سب سے پہلے حضرات صحابہ ہی ہوتے، لیکن اس طرح کی کسی بھی بات کا نہ پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرعی عمل نہیں ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ وہ امت جس کو کتاب وسنت پر عمل کا حکم تھا، اور صحابہ کی اقتداء میں ہدایت کا راز بتایا گیا تھا، آج اپنے نفس کی اتباع کو شریعت سمجھتی ہے۔

واضح رہے کہ دنوں کی تعیین کے ساتھ شریعت اسلامیہ میں مروجہ ایصال ثواب کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی، تمام علمائے کرام نے اس کو غلط قرار دیا ہے، فی نفسہٖ ایصال ثواب میں بغیر کسی چیز کی تعیین کے کوئی قباحت نہیں، ''البحر الرائق'' میں ہے:

"والأصل فيه أن الانسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة"(۱)

(اس سلسلہ میں اصل بات یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے خواہ وہ نفل نماز کی شکل میں ہو، یا روزہ، صدقہ، تلاوت قرآن، ذکر یا طواف وحج اور عمرہ کی شکل میں)

دنوں کی تعیین کے ساتھ علمائے کرام نے ایصال ثواب کے اہتمام کو بدعت قرار دیا ہے، اور قرون اولیٰ کے عمل سے مختلف ہونے کی وجہ سے اس پر سخت نکیر کی ہے، مشہور محدث وفقیہ ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۶۳/۳

”یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الأول أو الثالث أو بعد الأسبوع“(۱)

(میت کے پہلے اور تیسرے دن اور اسی طرح ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے)

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندوپاک میں دنوں کی تعیین کے ساتھ ان بدعات کے فروغ پانے میں برادرانِ وطن کی معاشرت کا بھی بڑا حصہ ہے، اکثر ایسا ہوا کہ جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوئے لیکن اسلامی تربیت نہ ہونے کے نتیجہ میں وہ اپنے مشرکانہ وجاہلانہ افکار ونظریات اور رسم ورواج پر ہی قائم رہے، پھر رفتہ رفتہ یہ چیزیں ان میں جڑ پکڑتی گئیں اور ان پر نکیر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی معاشرت کا حصہ بن گئیں، اس سلسلہ میں برادرانِ وطن سے بعض اعمال میں مشابہت کی دلیل کے طور پر ذیل میں ایک عبارت نقل کی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہندوستانی مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کے بجائے کس حد تک غیروں کے اثر کو لیے ہوئے ہیں، برصغیر کے معروف نومسلم مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک کتاب ”تحفۃ الہند“ میں لکھتے ہیں:

”برہمن کے مرنے کے بعد گیارہواں دن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرہواں دن اور ویش یعنی بنئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرہواں یا سولہواں دن اور شودر یعنی باڈلدھی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسواں دن مقرر ہے، ازاں جملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے، یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے ازاں جملہ برسی کا دن ہے، اور اس دن میں گائے کو بھی کھانا کھلاتے ہیں، ازاں جملہ ایک دن سدھ کا ہے، مردے کے مرنے سے چار برس پیچھے ازاں جملہ اسوج کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا اسی تاریخ میں ثواب پہنچانا ضروری جانتے

(۱) مرقاۃ المفاتیح، کتاب الفضائل والشمائل، باب فی المعجزات: ۱۷/۲۱۴

ہیں، اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سراوہ ہے اور جب سراوہ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں، جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں ابھشر من کہلاتا ہے، اوراسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں‘‘۔(۱)

ملاحظہ

سطور بالا میں وفات کے بعد سے تدفین کے بعد تک کی عمومی بدعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے اعتبار سے بے شمار ایسی بدعات بھی ہیں جن میں سے ہر ایک کا تذکرہ مختصر کتاب میں طوالت کے سبب مشکل ہے، البتہ ان سب کے متعلق یہی حکم ہے کہ انسان میت کی تدفین میں سنت طریقہ کو اختیار کرے، بذات خود ایصال ثواب کی کوشش کرے، اور علاقائی بدعات ورسومات کو شریعت کا درجہ دینے سے گریز کرے، مختلف علاقوں کے اعتبار سے پائی جانے والی متعدد بدعات میں سے چند حسب ذیل ہیں:

حالت نزع میں مرنے والے کے پیروں پر مہندی لگانا، میت کے غسل میں استعمال ہونے والے پانی کو ایک گڑھے میں دفن کرنا، اگر شوہر کا انتقال ہوا ہے تو اس کی تدفین کے بعد بیوی کو غسل دلانا، اگر بیوی کا انتقال ہوا ہے اور شوہر زندہ ہے تو اس کی تکفین لال دوپٹہ میں کرنا، جنازہ اٹھنے کے بعد اجتماعی دعا کا اہتمام کرنا، جنازہ کو قبرستان سے قبل کسی متعین جگہ پر لازمی طور پر رکھنا، وہاں اذان دینا اور اس عمل کو منزل لینے سے تعبیر کرنا، میت کے اہل خانہ سے تعزیت کے بعد خود پر وضو ضروری سمجھنا، انتقال کے بعد چالیس دن سے قبل خواب میں مردہ کے دیکھنے سے بدشگون لینا وغیرہ۔

عرس بزرگاں

بزرگان دین کے مزارات پر سال میں ایک دن جمع ہو کر چند اعمال کرنے کا نام

---

(۱) تحفۃ الہند: ۱۷۶

''عرس'' ہے، اس کے لغوی معنی ''شادی'' کے ہیں، مگر بزرگان دین کی قبروں پر جمع ہونے کے دن کو ''عرس'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی بزرگ کی قبر پر اس کے یوم وفات کو جمع ہونے کا رواج ہے، اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ کی تدفین کے بعد اگر وہ صالحین میں سے ہوتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ

''نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ'' (دولہن کی طرح بے فکر ہو کر سو جا) (۱)

یعنی جس طرح دلہن اپنے بستر پر بے فکر ہو کر سوتی ہے، اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے خاوند کے علاوہ آج اس کو کوئی نہیں جگائے گا، اسی طرح یہاں بھی یہ تعبیر استعمال کی گئی ہے کہ نیک شخص کو یہ خوش خبری دی جاتی ہے کہ تو بے فکر سو جا، اب تجھ کو کوئی نہیں اٹھائے گا سوائے تیرے خدا کے۔

چونکہ بزرگان دین کے متعلق ہر ایک کا حسن ظن ہے کہ ان کو یہی بشارت ملی ہوگی، اس لیے ان کو جس خطاب سے مخاطب کر کے سونے کا حکم دیا گیا، اسی لفظ کو ایک اصطلاح بنا کر قبروں پر جمع ہونے کا دن بنا لیا گیا۔

ہندوستان میں بعض بزرگان دین کے مزارات پر بہت دھوم دھام سے عرس منایا جاتا ہے، لوگ دور دراز سے سفر کر کے اس میں حاضری کو باعث ثواب اور وسیلہ نجات تصور کرتے ہیں، ان مزاروں کا علاقہ شروع ہوتے ہی تعظیماً اپنی چپلیں اتار لیتے ہیں، ان کا طواف کرتے ہیں، اور مزار پر نماز ادا کر کے اپنی مرادیں مانگتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، مزار کے باہر نمائش کا بھی معقول نظم ہوتا ہے، رات کو مزارات پر قوالیوں اور مشاعروں کا اہتمام ہوتا ہے، مرد اور عورتیں اہتمام سے بغیر کسی شرعی لحاظ کے شانہ بشانہ گھومتے نظر آتے ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے جن کو صاحب قبر کا نہ مکمل نام معلوم ہوتا ہے، نہ ہی ایصال ثواب کے شرعی طریقہ سے واقفیت ہوتی ہے، نہ فرائض کی پرواہ ہوتی ہے، اور نہ ہی عبادات کی

---

(۱) سنن الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر: ۱۰۹۲

فکر، ان کا مقصد محض سیر وتفریح ہوتا ہے اور بس۔

اس سلسلہ میں بطور جواز یہ بات پیش کی جاتی ہے کہ بزرگان دین کی روحوں کو دن کی تعیین کے ساتھ انتظامی اعتبار سے سہولت ہونے کے سبب ایصال ثواب کرنا بدعت نہیں اور فواحش ومنکرات کے باجود ایسے نیک کام کو روکنا بھی درست نہیں ہے۔

واضح رہے کہ توحید کے کھلیان کو شرک کی چنگاری سے محفوظ رکھنے کے لیے زبانِ نبوت سے اپنے آخری وقت میں جو الفاظ صادر ہوئے ہیں، وہ اسی دروازہ سے شرک کے دبے پاؤں گھس آنے سے آگاہ کرنے کے سلسلہ میں تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ"(۱)

(اللہ تعالیٰ کی یہود ونصاری پر لعنت ہو، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا)

اس کے بعد گھروں کو قبرستان نما بنانے پر نکیر کرتے ہوئے اور خود اپنی قبر کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْراً وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْداً وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ"(۲)

(اپنے گھروں کو قبرستان نہ بنانا، اور میری قبر کو جشن گاہ نہ بنانا، تم مجھ پر درود بھیجا کرو، تو بے شک تمہارا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے، خواہ تم کہیں بھی ہو)

مذکورہ دونوں روایتوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی اکرم ﷺ کا منشائے مبارک یہ تھا کہ گھروں کو قبرستان کی طرح سنسان، عبادت سے خالی، ذکر وتلاوت کے ماحول سے بے گانہ نہ کردیا جائے، اور قبرستانوں کو عید کی طرح جشن کا دن نہ بنایا

(۱) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد: ۲۰۵۹

(۲) سنن أبی داؤد، کتاب المناسك، باب زيارة القبور: ۲۰۴۴

جائے، کیونکہ یہ چیز شرک تک پہنچاتی ہے اور لعنت خداوندی کی موجب بنتی ہے۔

گویا شریعت اسلامیہ میں اس بات کی قطعاً کوئی اجازت نہیں کہ بزرگان دین کی قبروں پر ایصال ثواب کے بہانے ان تمام خرافات کو فروغ دیا جائے، درحقیقت یہ شیطان کی دسیسہ کاریاں ہیں، جن کے ذریعہ وہ علمبردارانِ توحید پر شب خون مار کر کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

”من أعظم مكايده التي كاد بها أكثر الناس وما نجا منها إلا من لم يرد الله تعالىٰ فتنته، ما أوحاه قديما و حديثا إلى حزبه وأوليائه من الفتنة بالقبور حتى آل الأمر فيها إلى أن عبد أربابها من دون الله وعبدت قبورهم واتخذت أوثانا وبنيت عليها الهياكل وصورت أربابها فيها ثم جعلت تلك الصور أجسادا لها ظل ثم جعلت أصناما وعبدت مع الله تعالى“(۱)

(شیطان کی بڑی سازشوں میں سے ایک یہ بھی ہے، جس کا اکثر لوگ شکار ہوگئے -سوائے ان کے جن کو اللہ نے بچالیا- کہ اس نے اپنے متبعین کو قبروں کے فتنہ میں پڑنے پر آمادہ کیا، یہاں تک کہ معاملہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ لوگ خدا کے علاوہ اصحاب قبور کی عبادت کرنے لگے، ان کی تصاویر بنالیں، پھر ان کو سایہ دار مجسموں میں تبدیل کرلیا اور خدا کی خدائی میں ان کو بھی شریک ٹھہرالیا)

اس عبارت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نفس ایصال ثواب کے جواز کو پیش کر کے اولیاء اللہ کی قبور پر ہونے والے شرکیہ اعمال یقیناً شیطان کے خود کاشت پودے ہیں، یہی وجہ ہے کہ علمائے دین نے ایصال ثواب کے اہتمام کو گھر میں رہ کر کرنا افضل قرار دیا ہے، اور گاہے گاہے بغیر تعیین کے قبرستان جانا مسنون عمل بتایا ہے،

(۱)إغاثة اللهفان، فصل ومن أعظم مكايده التي كاد بها أكثر: ۱/۱۸۳

تا کہ انسان خرافات سے محفوظ رہ سکے، کیونکہ اگر اس عمل پر کھل کر جواز کا فتوی دے دیا جائے تو بجائے خرافات کا سلسلہ بند ہونے کے مزید بڑھتا ہی چلا جائے گا، تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

”لا یجوز ما یفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السرج والمساجد عليها ومن الاجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونه عرسا“(۱)

(یہ عمل جائز نہیں ہے جو جہلاء؛ اولیاء وشہداء کی قبروں کے ساتھ کرتے ہیں، یعنی ان کو سجدہ کرنا، ان کے ارد گرد طواف کرنا، چراغ جلانا، ان قبروں کو نماز پڑھنے کی جگہ بنانا اور مزارات پر سال بھر کے بعد میلوں کی طرح جمع ہونا، جسے وہ لوگ ''عرس'' کہتے ہیں)

خوشی ومسرت کی بدعات

دین اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اس میں زندگی کے ہر موقع کی تعلیمات کا احاطہ ہے، خوشی کے مواقع ہوں یا غم کے، ہر ایک کے سلسلہ میں ایسی تعلیمات موجود ہیں جن کے نتیجہ میں انسان افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے اور زندگی کی حقیقی مسرتوں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔

حقیقت میں انسان کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ اعتدال کی راہ پر قائم رہے، ہر موقع پر اپنے خدا کو یاد رکھے اور اس کی تعلیمات کے اختیار کرنے کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھے، لیکن شیطان جو کہ ہر موڑ پر انسان کو اپنے شکنجہ میں کسنے کی تاک میں رہتا ہے، وہ مختلف طریقوں سے لوگوں کو لبھا کر اخلاق واعتقاد کے فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے، بسا اوقات لوگوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا اور وہ جادۂ مستقیم سے بہت دور جا چکے ہوتے ہیں۔

انسان کی شاہراہِ حیات کا اہم ترین سنگ میل ''شادی بیاہ'' ہے، جو ایک عبادت ہے، انبیاء کی سنت ہے، صالحین کا طریقہ ہے، اسی طرح اولاد کا ہونا، ان کے سلسلہ میں پیش آنے والے مسائل کا سنت طریقہ پر حل کرنا بھی نیک کام ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ آج عبادت والے ان مسنون اعمال کی اصل شکل ماند پڑ گئی ہے، اور اس کی جگہ ایسی رسومات نے گھر بنالیا ہے، جن میں مال اور وقت کے ضائع کرنے کے سوا کچھ نہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ تمام چیزیں مسنون اعمال ہونے کے باوجود بے سود ہیں، نہ شادی بیاہ میں برکت ہے اور نہ ہی اولاد مطیع وفرمانبردار ہے، یہاں اس بات

کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ شادی بیاہ میں ہونے والی خرافات عموماً دین سمجھ کر ثواب کی امید میں نہیں کی جاتیں، اس لیے ان اعمال کو ''رسومات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، ذیل میں بغرض اصلاح چند جلی رسومات کا مختصراً تجزیہ پیش ہے:

بدعات ورسومات

منگنی

لڑکے اور لڑکی کا رشتہ حتمی طور پر طے کرنے کے لیے چند لوگوں کے ساتھ لڑکی والوں کے گھر جانا عرف میں ''منگنی'' کی رسم کہلاتی ہے، اس میں پہلے سے باقاعدہ لوگوں کے آنے کی تعداد متعین کی جاتی ہے، ان مہمانوں کو بیش قیمت ہدایا اور عمدہ دعوت کھلانے کی فرمائش کی جاتی ہے، بالخصوص لڑکے والوں کے گھر کے تمام افراد کو مختلف چیزیں دینا لازم ہوتا ہے، اور ایک خطیر رقم بھی اس دعوت میں دینا ضروری ہوتی ہے، اسی طرح خود لڑکے والے بھی اپنی حیثیت کے مطابق مٹھائی اور کپڑے وغیرہ لانے کا اہتمام کرتے ہیں، پھر جب تک شادی کے تمام مراحل نہ گذر جائیں، تب تک لڑکی والوں کی طرف سے خوشی وغمی کے ہر موقع پر لڑکے کے گھر اہتمام کے ساتھ وافر مقدار میں کھانا بھیجنا ضروری ہے، ورنہ عموماً ایسا بھی ہوتا ہے کہ رشتوں میں ناچاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اور شادی کی بات ختم کر دی جاتی ہے، تاہم اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بسا اوقات یہ تمام چیزیں بغیر کسی دباؤ کے بذات خود معاشرہ میں اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر بھی کی جاتی ہیں۔

منگنی کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر صرف یہ ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے گھر والے آپس میں بیٹھ کر شادی کی تاریخ متعین کر لیں، اور ایک مسنون طریقہ یہ بھی ہے کہ شادی سے قبل لڑکا خود سنت طریقہ پر لڑکی پر نگاہ ڈال لے، لیکن اس ایک مختصر عمل کو ایسا طول دینا جس سے سنت کی پوری روح ہی نکل جائے، خلاف شریعت ہے، یہ تمام

طریقے اسراف وتبذیر میں داخل ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب دہلویؒ لکھتے ہیں:

> ’’منگنی (خطبہ) رشتہ قائم کرنے کا نام ہے، اس میں بھی بڑی حد تک اسراف اور رسم کی پابندی کی وجہ سے زیر باری ہو جاتی ہے، اس لیے اصلاحاً لین دین کا ترک بھی مناسب ہے جو منگنی اور شادی کے درمیانی زمانہ میں محض رسم کی بنا پر مروج ہے‘‘۔(۱)

منڈھا

شادی سے ایک دن قبل دعوت کے اہتمام کو ’’منڈھا‘‘ کہا جاتا ہے، بعض علاقوں میں اس بات کا رواج تھا کہ شادی سے ایک دن قبل نائی کے ہاتھ دلہن کا جوڑا اور مہندی کا سامان لڑکی والوں کے یہاں بھیجا جاتا تھا، پھر وہاں سے دولہے کے گھر بھی کچھ سامان بھیجا جاتا تھا، نائی کے آنے پر اس کو عمدہ پکوان دیئے جاتے تھے، موجودہ دور میں یہ چیز کم پائی جاتی ہے، مگر اس وقت اس چیز کا رواج پھر بھی عام ہے کہ شادی سے ایک دن پہلے مہمانوں کو دعوت دے دی جاتی ہے، کڑی چاول وغیرہ بننے کا اہتمام ہوتا ہے، بسا اوقات نکاح نامہ پر اس دن کی تاریخ بھی درج کر دی جاتی ہے۔

درحقیقت یہ برادران وطن سے آئی ہوئی رسموں میں سے ایک رسم ہے، جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، البتہ شادی میں شرکت کی غرض سے دور کے جو مہمان اور قریبی حضرات ایک دن قبل آجائیں، ان کے لیے معقول کھانے کا نظم کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس چیز کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو دعوت دے کر بلانا، پھر اس دن کے ساتھ مخصوص پکوان بنانا یقیناً کسی رسم اور غیر ضروری کام کو ضروری بنانے سے کم نہیں۔

بھات

لایعنی کاموں میں سے ایک کام ’’بھات‘‘ کی رسم بھی ہے، جس کو شادی بیاہ اور دیگر مواقع خوشی پر لازم سمجھ لیا گیا ہے، بیٹی اور بہن کے آبائی گھر سے اس کی سسرال کو

---

(۱) کفایت المفتی: ۸۶/۹

جانے والی مختلف چیزوں کا نام ''بھات'' ہے، اس سلسلہ میں بہت نفاست سے کام لیا جاتا ہے، عموماً اپنا معیار زندگی بھول کر لڑکی یا بیٹی کے گھر والوں پر شاہی معیار جمانا خوب یاد رہتا ہے، اگر کوئی معمولی خامی بھی نظر آجائے یا کسی موقع پر یہ رسم چھوٹ جائے تو کڑوی کسیلی سنانے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا جاتا، درحقیقت انہیں رسومات کی نحوست ہے کہ آج بے شمار اصلاحی کوششوں کے باوجود معاشرہ میں امن وسکون کی وہ فضا قائم نہیں ہورہی جس کا نمونہ قرون اولیٰ میں نظر آیا تھا۔

کسی پر زور بنا کر کسی چیز کا مطالبہ کرنا ہرگز درست نہیں، جو لوگ اپنا حق سمجھ کر اس کا مطالبہ کرتے ہیں، ان کا شمار حدیث کی رو سے ''ظالمین'' میں ہوگا، اور جو لوگ بغیر کسی دباؤ کے محض رسم نبھاتے ہوئے کچھ دینے کا اہتمام کرتے ہیں، ان کا شمار اغیار کے طریقہ پر چلنے والوں میں ہوگا، کیونکہ خود غرضی اور مادیت کی اس دنیا میں ایسے لوگ خال خال ہی ہیں جو محض ''تَهَادَوْا تَحَابُّوْا'' (آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تاکہ محبت پیدا ہو) کے پیش نظر مسنون طریقہ پر دینے دلانے کا معمول رکھتے ہوں، جبراً مطالبہ کرنے اور اغیار کی مشابہت کے متعلق روایات ملاحظہ ہوں:

''أَلَا لَا تَظْلِمُوْا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ''(۱)

(سن لو! ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو، سن لو! کسی بھی شخص کا مال بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں)

''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ''(۲)

(جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو اس کا شمار انہیں میں ہوگا)

مہندی وابٹن

اکثر علاقوں میں شادی سے ایک دن قبل لڑکے اور لڑکی دونوں کو مہندی اور ہلدی

---

(۱)شعب الایمان للبیهقي: كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ٢٩٤٦

(۲)سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ٤٠٣٣

وغیرہ کی ابٹن لگانے کی رسم بھی شدت سے پائی جاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ اس سے خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے، چنانچہ اس رسم کو چند لوازمات کے ساتھ گھیر دیا گیا ہے، اس دوران اگر نماز کا وقت بھی شروع ہو کر ختم ہو جائے تو کوئی پرواہ نہیں ہوتی، مہندی گھر کی بے تکلف خواتین لگاتی ہیں، اقرباء اس دن بطور خاص مٹھائی وغیرہ لانے کا اہتمام کرتے ہیں، اس اثناء روایتی گیتوں اور گانوں کو ڈھول تاشوں کے ساتھ سنا جاتا ہے، اس کے علاوہ بے پردگی اور پھوہڑ مذاقوں کا ایک سلسلہ بھی قائم رہتا ہے۔

خوبصورتی اختیار کرنے کے لیے ایسے تمام طریقے اختیار کرنا جن سے قدرتی طور پر بنی ہوئی کھال میں کوئی فرق واقع نہ ہو جائز ہے، لیکن خوبصورتی اختیار کرنے کے لیے ایک رسم بنالینا اور اس کے ساتھ غیر شرعی چیزوں کا اضافہ کرلینا درست نہیں ہے، مثلاً: فرائض کی لاپرواہی، مردوزن کا اختلاط، موسیقی کا اہتمام، مال کا اسراف اور وقت کا ضیاع۔

برات

چند افراد کے ساتھ نکاح کے لیے لڑکی کے گھر جانے کو ''برات'' کہا جاتا ہے، اس سلسلہ میں بہت بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے، ایسے موقع پر شرعی پردہ اور اپنے مال کو میانہ روی سے خرچ کرنے کا تصور بالکل مفقود ہوتا ہے، برات کی روانگی کے وقت سے نکاح کے بعد تک آتش بازی اور فائرنگ کا ایک ایسا دور رہتا ہے کہ پوری فضا مکدر ہو جاتی ہے، بسا اوقات کئی جانیں موت کی گھاٹ اتر جاتی ہیں، موجودہ دور میں ''بینڈ باجا'' اور ''ڈانس'' برات کا لازمی جز ہیں، جس کے بغیر برات برات نہیں سمجھی جاتی، کہا جاتا ہے کہ برات اور جنازہ میں ''بینڈ باجا'' اور ''ڈانس'' حد فاصل ہیں، جب کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں چیزوں کی صراحۃً نکیر کی گئی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں یہ شمار کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گانے بجانے کو مٹانے کے لیے آئے تھے، مگر افسوس جو لوگ اس غیر شرعی عمل کو جنازہ اور برات کے درمیان حد فاصل سمجھتے ہیں، درحقیقت یہ چیز ان کے ایمان اور نفاق کے درمیان حد فاصل ہے۔

اس کے علاوہ برات میں لڑکی والوں کو ان کی حیثیت سے بڑھ کر مہمانوں کی تعداد بتلائی جاتی ہے، پھر جانے والوں کی جتنی تعداد متعین کی جاتی ہے، روانگی کے وقت اس سے بڑھ کر برات میں شرکت کرنے والے ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے تمام تر انتظامات کے باوجود بھی شرمندہ ہوجاتے ہیں، اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ لڑکی والوں کو خود کا غلطی پر ہونے کے باوجود الٹی سیدھی باتیں بھی سنائی جاتی ہیں، اور اپنے غیر اسلامی رویہ پر ذرا بھی دھیان نہیں ہوتا۔

نکاح کے لیے روانگی کے وقت شرعی نقطہ نظر یہ ہے کہ چند معزز اور قریبی لوگوں کو ساتھ لے جاکر بغیر کسی اسراف کے عقد کیا جائے، لڑکی والوں پر کثیر مقدار میں لوگوں کی ضیافت کا بوجھ نہ ڈالا جائے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بارات کے مفاسد اور اس کے آغاز کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”برات بھی شادی کا بہت بڑا رکن سمجھا جاتا ہے، اور اس کے لیے کبھی دولہا والے، کبھی دلہن والے بڑے اصرار اور تکرار کرتے ہیں، غرض اصلی اس میں محض ناموری و تفاخر ہے، اور کچھ نہیں عجب کہ کسی وقت جب راہوں میں امن نہ تھا، اکثر قزاقوں اور ڈاکوؤں سے دوچار ہونا پڑتا تھا، دولہا دلہن اور اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لیے اس وقت یہ رسم ایجاد ہوئی ہوگی، اسی وجہ سے گھر پیچھے ایک ایک آدمی ضرور جاتا تھا، مگر اب نہ تو وہ ضرورت باقی رہی، نہ کوئی مصلحت، صرف افتخار و اشتہار باقی رہ گیا ہے، پھر اکثر اس میں ایسا کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور جا پہنچے سو، اول تو بے بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے، حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دعوت میں بے بلائے جائے وہ گیا تو چور ہوکر اور وہاں سے نکلا لٹیرا ہوکر، یعنی گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کا، پھر دوسرے شخص کی اس میں بے

آبروئی بھی ہوجاتی ہے، کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہے، پھر ان باتوں کی وجہ سے اکثر جانبین سے ایسی ضدا ضدی اور بے لطفی ہوتی ہے کہ عمر بھر اس کا اثر دلوں میں باقی رہتا ہے، چونکہ نا اتفاقی حرام ہے اس لیے جن باتوں سے نا اتفاقی پڑے وہ بھی حرام ہوں گی، اس لیے یہ فضول رسم ہرگز جائز نہیں''۔(۱)

بَری

جو چیزیں لڑکے والے دلہن کے لیے برات میں لے کر آتے ہیں، ان کو ''بری'' کہا جاتا ہے، بعض علاقوں میں اس رسم کو ''ڈالا'' بھی کہتے ہیں، اس رسم کی ادائیگی میں عام طور پر لڑکے والے بھی اپنی ناک اونچی رکھنے کی خاطر خوب اسراف وتبذیر سے کام لیتے ہیں، بسا اوقات اپنی حیثیت سے بڑھ کر اتنا مال وزر دینے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے لیے زیب نہیں دیتا، اس میں بالخصوص دلہن کو سونے کے قیمتی زیورات دیئے جاتے ہیں اور ایسے جوڑے تیار کیے جاتے ہیں، جن میں خاصی رقم صرف ہوتی ہو، ان جوڑوں کی بھی ایک خاص تعداد ہوتی ہے، ہر جوڑے پر اہتمام سے کڑھائی کی جاتی ہے، اور ہر جوڑے کے رنگ کے مطابق بناؤ سنگار کی مختلف چیزیں بھی رکھی جاتی ہیں۔

اس کے متعلق یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دلہن کو بطور تحفہ کچھ دینا معیوب نہیں، مگر اس اہتمام سے اس رسم کی ادائیگی بے جا اور غیر شرعی عمل ہے، اس میں اپنی دلہن کو کچھ تحفہ دینے سے زیادہ نیت فخر ونمود کی ہوتی ہے جو کسی صورت درست نہیں۔

نکاح کے وقت کلمہ

بعض جگہوں پر نکاح کے وقت قاضی صاحبان کے یہاں کلمہ توحید اور ایمان مجمل ومفصل پڑھانے کی ریت بھی خوب عام ہے، لوگ اس کے بغیر نکاح کو نامکمل تصور

---

(۱) بہشتی زیور: ۶/ ۲۶۹

کرتے ہیں، اگر کوئی نکاح پڑھانے والا ایسا نہ کرے تو بعض علاقوں میں تجدید نکاح تک کی نوبت آجاتی ہے، ان کا ماننا یہ ہے کہ نکاح میں کلمہ پڑھانا سنت ہے، ممکن ہے کہ دولہا یا دلہن نے کوئی ایسا شرکیہ کام کیا ہو جس سے اس کا ایمان خطرہ میں پڑ گیا ہو۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر لڑکے کی سابقہ زندگی واقعی ایسی ہو، جس کے متعلق یہ بخوبی علم ہو کہ ابھی تک یہ ان شرکیہ اعمال سے تائب نہیں ہوا ہے، تو کلمہ پڑھوانا مع حقائق توحید کی وضاحت کے مناسب ہے، لیکن اگر ایسی بات نہیں، بلکہ محض ایک گمان کی خاطر یا رسم کی ادائیگی کی خاطر ایسا کیا جائے تو یہ بات درست نہیں، ہر مسلمان کے متعلق ہمیشہ خوش گمانی ہی رکھنی چاہیے، شادی کے وقت رسمی طور پر کلمہ پڑھوانا ضروری سمجھنا، ایک مسلمان کے ایمان پر شبہ کرنے کے مترادف ہے۔

سہرا، ہار اور سلامی

بارات کے دن نکاح سے پہلے اور بعد میں مختلف غیر شرعی چیزوں کا سلسلہ رہتا ہے، جن میں سرفہرست ''سہرا، ہار، سلامی اور جوتا چھپائی'' ہے، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب دولہا کو نکاح کے لیے تیار کیا جاتا ہے تو اس وقت سے اس کے گلے میں ہاروں کے پڑنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، کوئی روپیوں کا ہار ڈالتا ہے، کوئی پھولوں کا ہار ڈالتا ہے، دولہے کے سہرا بھی باندھا جاتا ہے، اور نکاح کے بعد کسی ممتاز جگہ پر دولہے کو بٹھا کر اور بعض جگہوں پر کھڑا کر کے ''سلامی'' کی رسم پوری کی جاتی ہے، ایک ایک کر کے سارے اقرباء واصدقاء آتے ہیں، گلے میں ہار ڈالتے ہیں، دولہے کے ہاتھ میں کچھ رقم دیتے ہیں، یا اس شخص کے ہاتھ میں رکھ دیتے ہیں جو دولہے کے ساتھ کھڑا ہو، یہ سلسلہ تقریباً دو تین گھنٹہ سے کم نہیں چلتا، اس کے بعد گھر میں جاتے وقت عورتوں کی طرف سے دولہے کی ''جوتا چھپائی'' کی رسم بھی پوری کی جاتی ہے، یعنی لڑکا اپنے جوتے اتار کر اوپر بیٹھتا ہے اور بعض خواتین اس کو چھپا کر منھ مانگی رقم لینے کے بعد واپس کرتی ہیں، اگر یہ سب نہ کیا جائے تو بعض مرتبہ بات نااتفاقیوں تک پہنچ جاتی

ہےاور رشتوں میں دراڑیں پڑجاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام رسومات کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی ان میں انسانیت کی فلاح مضمر ہے، ان رسومات میں سوائے تعفن اور ضیاع مال ومتاع کے کچھ نہیں، یہ غیروں کے طریقوں سے حد درجہ متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، جس کا خاصے دین دار طبقہ تک کو احساس نہیں، ایسے لوگوں کے متعلق صاف طور پر ارشاد نبوی ہے:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"(۱)

(جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہوگا)

علامہ مناویؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ تشبہ سے مراد ظاہر و باطن، سیرت و کردار ہر چیز کے اندر دوسروں کے اثر کو قبول کرنا ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

"أی تزیا فی ظاهره بزیهم وفی تعرفه بفعلهم وفی تخلقه بخلقهم وسار بسیرتهم وهدیهم فی ملبسهم وبعض أفعالهم، أی وكان التشبه بحق قد طابق فيه الظاهر الباطن فهو منهم"(۲)

(یعنی اس شخص نے ظاہری طور پر غیروں کا وطیرہ اختیار کر رکھا ہو اور عرف میں شمار ہونے والے اپنے کام بھی انہیں کے مطابق ہوں، اخلاق بھی ویسے ہی ہوں، سیرت و کردار میں بھی انہیں کی جھلک ہو، اگر کسی شخص کی حالت واقعی ایسی ہے تو گویا وہ انہیں میں سے ہے)

نیوتہ

بارات اور ولیمہ کی دعوت میں ایک غیر ضروری چیز کا اور التزام کرلیا گیا ہے، وہ ہے "نیوتہ دینے کی رسم"، اس کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ مہمانوں کے کھانے سے

(۱)سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة: ۴۰۳۳

(۲)فیض القدیر: ۱۳۵/۶

فراغت کے بعد جو نکلنے کی جگہ ہوتی ہے، وہاں ایک شخص کو کاؤنٹر بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے، اور لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اس کے پاس معقول رقم جمع کرتے رہتے ہیں، وہ ایک رجسٹر میں تمام لوگوں کے پیسوں کو مع نام درج کرتا رہتا ہے، بعد میں اس رجسٹر کی تفصیلات دیکھی جاتی ہیں، جس نے جتنے پیسے دیئے ہوتے ہیں، آئندہ مرتبہ جب اس کے گھر کوئی خوشی کا موقع ہوتا ہے تو اسی دی گئی رقم کے مطابق اس کے گھر بھی رقم پہنچا دی جاتی ہے، بلاشبہ یہ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کو ہدایا وغیرہ دینے میں بھی تبادلہ کی ذہنیت رکھے اور سنت پر عمل کرنے سے زیادہ معاشرتی رسم ورواج کا پاس رکھنے کی کوشش کرے۔

خوشی کے موقع پر اگر کچھ رقم بطور ہدیہ خلوص دل سے بدلہ کی نیت کے بغیر دی جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن نیوتہ کی اس رسم کی قباحت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب انسان کی نیت یہ ہو کہ جب ہمارے یہاں دینے کا موقع آئے گا تو اس سے بڑھ کر ملے گا، ایسی صورت میں یہ چیز ہدیہ نہیں بلکہ ایک قرض کی شکل اختیار کرلے گی، کیونکہ شخص مذکور کی نیت اس رقم کی ادائیگی میں ایک مدت کے بعد اس رقم کو اضافہ کے ساتھ لینا ہے، اور قرض پر اضافہ لینا تمام فقہاء کے نزدیک سود ہو جانے کی وجہ سے حرام ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّباً لِّيَرْبُوَ فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّه﴾

(الروم: ٣٩)

(اور تم جو سود پر دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک بڑھتا نہیں ہے)

ولیمہ

ولیمہ حضور اکرم ﷺ کی مبارک سنت ہے اور اظہار خوشی کا ایک بہتر عمل ہے، عام طور پر اس میں بھی بے احتیاطی سے کام لیا جاتا ہے، اور سنت پر عمل کے بجائے

زیادہ تر مقصود شہرت وفخر وریا ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنی حیثیت سے بڑھ کر ولیمہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اور اس مسنون دعوت میں ان تمام غیر شرعی چیزوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں جن کو دین اسلام میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا گیا، مثلاً: پردہ کے سلسلہ میں عدم احتیاط، ویڈیوگرافی وغیرہ۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی حیثیت کے مطابق شرعی حدود میں ولیمہ کی سنت ادا کرے اور اس سلسلہ میں محتاط رویہ رکھے۔

مہر

بدعات ورسومات کے پنپنے کے بعد سنتوں پر عمل مشکل ترین کام ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے، جو مہر جیسی واجبی چیز کو ہلکا سمجھتی ہے، اس کی ادائیگی کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، نکاح کے موقعوں پر اکثر لوگ ''مہر معجّل'' (ایسا مہر جس کی ادائیگی فوراً ضروری ہوتی ہے) یا ''مہر مؤجل'' (ایسا مہر جس کی ادائیگی بعد میں کی جائے) لکھوا کر ایک اہم فریضہ کی ادائیگی سے غافل ہو جاتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ بعض جگہوں پر ادائیگی مہر کو غلط بھی سمجھا جاتا ہے، رسم ورواج کی پاسداری میں غیر محسوس طریقہ سے لڑکی کے اوپر ایسا دباؤ بنایا جاتا ہے کہ وہ خود معافی مہر کا اظہار کر دے، اگر ایسا نہ بھی ہو تو اس چیز کو اہمیت نہ دینا عام بات ہے، نکاح کے رجسٹر پر ''مہر'' لکھوانے کے بعد کسی کو یہ خیال بھی نہیں رہتا کہ اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے، البتہ ان تمام رسومات کا نبھانا ضرور یاد رہتا ہے جو بسا اوقات جہنم کی راہ ہموار کرنے میں بڑی حد تک ممد ومعاون ہوتی ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں مہر کو خاص اہمیت دی گئی ہے، یہ لڑکی کا واجبی حق ہے، جس کے بغیر اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنا درست نہیں، اس میں کوتاہی سے کام لینے والا حقوق العباد میں حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا، اس لیے موجودہ دور میں مہر معاف کرانے کا حیلہ ہرگز کام آنے والا نہیں، معافی کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ عورت بذات خود اپنی خوشی سے معاف کر دے، لیکن اگر وہ خاندان یا معاشرہ کے رسم ورواج کے

دباؤ میں ایسا کرے تو یہ ہرگز درست نہیں، چونکہ موجودہ دور میں یہ مرض عام ہے، اس لیے ایسے دور میں دل سے معاف کرنے والی خاتون کے لیے بھی افضل بات یہی ہے کہ اس کو اپنا حق سمجھ کر لے، خواہ بعد میں وہ شوہر ہی کو ہدیہ کیوں نہ کردے، ادائیگی مہر کے سلسلہ میں کوتاہی سے کام لینے والوں کے لیے روایت میں سخت الفاظ وارد ہوئے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً فَنَوَىٰ أَنْ لَا يُعْطِيَهَا مِنْ صَدَاقِهَا شَيْئاً مَاتَ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ زَانٍ"(۱)

(جو شخص بھی کسی خاتون سے نکاح کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا، تو اس کا انتقال اس حال میں ہوگا کہ وہ زانی ہوگا)

چوتھی

نکاح سے فارغ ہو کر دلہن کی رخصتی ہوتی ہے اور وہ اپنے نئے گھر میں آجاتی ہے، اس کے بعد لڑکی کے مائکہ سے چند قریبی خواتین کچھ جوڑے اور مٹھائی وغیرہ لے کر لڑکی کے یہاں حاضر ہوتی ہیں، ان کی یہ حاضری کسی زمانہ میں چوتھے دن ہوا کرتی تھی، لیکن اب عموماً دور کی رشتہ داریوں میں دوسرے دن اور قریب کی اسی دن آتی ہیں، ان کے آنے پر ضیافت کا غیر معمولی نظم ہوتا ہے، اس گھر میں جو بھی خادمات ہوتی ہیں، ان کو پیسے دیئے جاتے ہیں، اور اس کے بعد لڑکی کو انہیں جوڑوں اور اسی مٹھائی کے ساتھ رخصت کیا جاتا ہے، جس کو یہ خواتین چوتھی کی رسم میں اپنے گھر سے لائی تھیں، اس غیر معقولانہ اور غیر شرعی رسم کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

''دوسرے روز چوتھی کا جوڑا پہنا کر مع اس مٹھائی کے جو بہو کے گھر سے آئی تھی رخصت کرتے ہیں، ماشاء اللہ ''عطائے تو بہ لقائے تو'' کے یہی معنی ہیں، بھلا صاحب اس کے بھیجنے اور پھر واپس لے جانے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی: ۷۳۰۲

سے کیا حاصل ہوا، گویا اس مبارک گھر سے مٹھائی میں برکت آجانے
کے لیے بھیجی ہوگی، خیال تو کیجئے رسم کی پابندی میں عقل بے چاری
کی بھی تو حکومت گئی گزری، اور التزام مالا یلزم کا شرعی گناہ والزام تو
قائم ہی ہے''۔(۱)

مائکہ جانے کی رسم

شادی کے تمام مراحل کے بعد عرصہ تک وقفہ وقفہ سے ایک دوسری رسم کا التزام ہوتا ہے، یعنی مائکہ جانے کی رسم، یہ جانا محض اتفاقی نہیں ہوتا، بلکہ عموماً دنوں اور مہینوں کے اعتبار سے اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے، بعض دنوں کو نحوست کا دن تصور کر کے مائکہ نہیں بلایا جاتا اور بعض دنوں کو نیک فال لیتے ہوئے بلایا جاتا ہے، سماج میں جو مہینے شدت اور غم کے شمار ہوتے ہیں ان میں لڑکی کا مائکہ میں رہنا بہتر سمجھا جاتا ہے اور جن مہینوں میں خوشی وغیرہ کی تقریبات کا موقع ہوتا ہے ان میں شوہر کے گھر رہنا ہی بہتر سمجھا جاتا ہے، اگر اس سلسلہ میں فریقین میں سے کوئی لاپرواہی برتے تو طعن وتشنیع کی نوبت بھی آجاتی ہے، پھر جتنی مرتبہ لڑکی مائکہ جائے گی، اس کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ لڑکی متعین مقدار میں کچھ نہ کچھ شوہر کے گھر ساتھ لے کر آئے، کوئی تہوار کا موقع ہے تو تہواری ساتھ آنا ضروری ہے اور اگر صرف لڑکی کو واپس آنا ہے تو متعین مقدار میں کچھ سامان آنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ بعض جگہوں پر عیدین بھی مائکہ میں ہی منانا افضل سمجھا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اس پر نکیر کرے تو اس کو غلط قرار دیا جاتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسومات میں بے دریغ صرف ہونے والی رقوم کے سلسلہ میں اگر غور کیا جائے تو ایک ایک گھر کا بجٹ موجودہ دور کے اعتبار سے لاکھوں تک پہنچنا کوئی بڑی بات نہیں، جب کہ اگر یہی پیسہ لڑکی کے حق میں جمع کر دیا جاتا، تو شاید اس کے لیے بھی بھلا ہوتا اور ان گناہوں سے بچنا بھی آسان ہوتا، مگر افسوس کہ

---

(۱) اصلاح الرسوم: ۷۹

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''غرض کہ تھوڑے دنوں یہ آؤ بھگت سچی یا جھوٹی ہوتی رہتی ہے، پھر اس کے بعد ''کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو'' سب خوشیاں منانے والے اور جھوٹی وفاداری کرنے والے علیحدہ ہوئے، اب جو مصیبت پڑے بھگتو، کاش جس قدر روپیہ بے ہودہ اڑایا ہے، ان دونوں کے لیے اس سے کوئی جائیداد خرید کردی جاتی، یا تجارت کا سلسلہ شروع کردیا جاتا، کس قدر راحت ہوتی، ساری خرابی اس التزام مالایلزم کی ہے''۔(۱)

☆☆☆

پیدائش کے وقت کی بدعات ورسومات

جن گھروں میں شادی کے بعد زمانہ گزر جاتا ہے اور ولادت نہیں ہوتی، عموماً وہاں ایسی بدعات ورسومات ہوتی ہیں جن کے کھلا شرک ہونے میں کوئی شک نہیں، بعض خواتین استقرار حمل سے قبل مزارات پر جاکر پیدا ہونے والے بچہ کے نام کا دوپٹہ باندھتی ہیں، اپنی عرضی لکھ کر ان کی قبر پر لٹکاتی ہیں، اور سجدہ میں سر رکھ کر صاحب قبر سے اولاد کی درخواست کرتی ہیں، اس کے علاوہ اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے کہ اگر طویل عرصہ بعد بچہ پیدا ہوا، تو ماں خود اس کو اپنا دودھ نہیں پلائے گی، بلکہ نیک فال لیتے ہوئے کسی دوسری خاتون سے دودھ پلوایا جائے گا، تاکہ بچہ زندہ رہ سکے، بچہ کی زندگی ہی کے واسطہ بعض جگہوں پر قبل پیدائش یا بعد پیدائش یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک چھلنی میں چند روپئے یا غلہ وغیرہ رکھ کر مشکل کشا کے نام نکالا جاتا ہے، اور اس کو بچہ کے لیے نیک فال تصور کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ پیدائش کے بعد ''پنجیری'' تقسیم کرنے کا خاص اہتمام ہوتا ہے، جس میں رزق کی توہین ہوتی ہے، اور مال کا خوب

(۱) اصلاح الرسوم: ۸۲

ضیاع بھی ہوتا ہے، ان میں سب سے زیادہ سوہان روح حرکت تو یہ ہے کہ بچہ کی ماں کو چالیس دن تک بغیر غسل کے رکھا جاتا ہے، خواہ اس کو مکمل طور پر اس سے پہلے ہی پاکی کیوں حاصل نہ ہوگئی ہو، لیکن چالیسویں دن نہلا کر اس دن مائکہ سے ''چھٹی'' یا ''چھوچھک'' منگوایا جاتا ہے، اور وہی ساری برائیاں اس دن یہاں بھی ہوتی ہیں، جن کا کچھ تذکرہ سابقہ سطور میں ہو چکا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

> ''ان سب امور میں جو کچھ پابندی ہے کہ پابندی فرائض سے بڑھ کر برتی جاتی ہے، اور وہی نیت نمائش و ناموری کی ہونا، وہ ظاہر ہے جس میں حدود شرعیہ سے تجاوز اور تکبر و افتخار کوٹ کوٹ کر بھرا گیا ہے، جس کے حرام ہونے میں آیات واحادیث بکثرت موجود ہیں، آداب مسنونہ تولد کے وقت یہ ہیں کہ جب لڑکا پیدا ہوا، اس کو نہلا دھلا کر اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہی جائے اور کسی بزرگ متقی سے تھوڑا چھوہارا چبوا کر اس کے تالو کو لگا دیا جائے، اور باقی تمام امور مذکورہ یا اذان کی مٹھائی یہ سب فضول اور غیر معقول اور مکروہ ہیں''۔(۱)

چھٹی کا دودھ

بچہ کی ولادت کے بعد بعض جگہوں پر یہ قبیح رسم بھی پائی جاتی ہے، اس میں بچہ کو چھ دن تک اس کی ماں کا دودھ نہیں پلایا جاتا، جس کی وجہ سے بسا اوقات بچہ سخت بیمار پڑ جاتا ہے اور جان پر بن جاتی ہے، اسی طرح چھ دن تک بچہ کو باقاعدہ کپڑے بھی نہیں پہنائے جاتے، البتہ جب چھٹا دن آتا ہے تو بچہ کی نانیہال سے اہتمام کے ساتھ بے شمار چیزیں لائی جاتی ہیں، جن میں پورے گھر والوں کے لیے کپڑے اور دیگر بیش قیمت چیزیں ہوتی ہیں، بالخصوص نومولود بچہ کے لیے کپڑے آتے ہیں جو اس کو پہنائے جاتے ہیں، اور اس کے بعد بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔

---

(۱) اصلاح الرسوم: ۴۴

ظاہر بات ہے یہ تمام وہ چیزیں ہیں جن کا نہ عقل سے تعلق ہے اور نہ شریعت سے، یہ چیزیں محض لوگوں کی خودساختہ شریعت سے تعلق رکھتی ہیں، جو ان کے لیے غلامی کے کسی طوق سے کم نہیں ہیں۔

عقیقہ کی رسومات

بچہ کی ولادت کے بعد سنت طریقہ پر ساتویں دن عقیقہ کرنا اور بچہ کا نام رکھنا مسنون عمل ہے، مگر اس کے اندر بھی بعض ایسی خرافات در آئی ہیں، جس سے اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، اس میں سنت طریقہ ادا ہونے کے بجائے اس بات کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کون شخص دعوت میں شریک ہوا اور اس نے نیوتہ لکھوایا، اور کون شخص تحائف کے ساتھ آیا، اس کے علاوہ جب جانور ذبح کرنے سے قبل بچہ کے سر کے بال مونڈے جاتے ہیں تو یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ اس کے سر کے اوپر سے چند روپئے اتار کر نائی کو دیئے جائیں، تاکہ اس کا سر محفوظ رہے، یہ بھی عقیقہ کی بدعات و رسومات میں شامل ہے کہ لڑکی کے لیے بکری ذبح کرنا ضروری سمجھا جائے اور لڑکے کے لیے بکرا۔

شریعت اسلامیہ میں لڑکے کے لیے دو جانور یا جانور کے دو حصے اور لڑکی کے لیے ایک جانور یا ایک حصہ ہونا ضروری ہے، مستحب یہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کیا جائے، بچہ کے بال مونڈے جائیں، اس کے سر پر زعفران وغیرہ مل دیا جائے، اس کے بالوں کے وزن کے بقدر صدقہ کر دیا جائے، اور اسی دن بچہ کا کوئی اچھا نام بھی رکھ دیا جائے، لیکن اگر ساتویں دن یہ عمل نہ ہوسکے تو اکیسویں دن یا اس کے بعد جب توفیق ہو تو مسنون طریقہ پر کرنا درست ہے، لیکن بعد والی صورت میں ان اعمال کا ہونا مشکل ہے جو سر مونڈنے اور نام رکھنے کی قبیل سے ہیں، کیونکہ یہ کام تقریباً جلد ہی ہوجاتے ہیں، عقیقہ کے مسنون طریقہ کے متعلق ترمذی شریف کی ایک روایت ملاحظہ ہو، جس میں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے عقیقہ کا تذکرہ ہے:

"عَنْ عَلِيٍّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَا فَاطِمَةَ! احْلِقِي رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِي بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَتْهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَماً أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ"(۱)

(حضرت علیؓ بن أبی طالب سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک بکری سے حضرت حسن کا عقیقہ کیا، اور حضرت فاطمہ سے کہا: اس کا سر حلق کردو، اور بالوں کے برابر چاندی صدقہ کردو، انہوں نے بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھے)

ختنہ، دودھ چھٹائی اور دانت نکلنے کی رسومات

ان تمام امور بھی میں وہی خرابیاں ہوتی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، یعنی ناچ گانوں کا اہتمام، دعوتوں کا التزام، مال کا اسراف، عریانیت وفحاشی کا عموم، شرکیہ اعمال سے محبت، اور شریعت سے بالکل متضاد باتوں پر شدت سے عمل وغیرہ وغیرہ۔

دین اسلام میں ان بے جا امور کی پاسداری کو کہیں بھی نہیں سراہا گیا، ایسے اعمال پر سختی سے نکیر کی گئی ہے جو جہنم تک پہنچانے کا باعث ہوں، اور انسان کو دنیوی اعتبار سے بھی کمزور کرتے ہوں، افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان اعمال کو کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے، اور ان کو دین کی باتوں میں شامل سمجھتا ہے، درحقیقت قرآن کریم کی آیت ایسے لوگوں پر سو فیصد صادق اترتی ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالا ☆ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً﴾

(الكهف: ۱۰۳-۱۰۴)

(کہہ دیجیے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کاموں میں سب سے زیادہ گھاٹا کس نے اٹھایا، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں بیکار گئیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت بہتر کام کر رہے ہیں)

---

(۱) سنن الترمذی، كتاب الأضاحی، باب العقيقة بشاة: ۱۶۰۲